اکیسویں صدی کی بہترین علمی وادبی پیشکش

کلیات آہ

(مجموعۂ کلام حضرت مولانا سید عبد الشکور آہؔ مظفرپوریؒ)

ترتیب و تحقیق

مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

(ابن نبیرۂ حضرت آہؒ)

شائع کردہ

مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور بہار انڈیا

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: کلیات آہؔ (منتخب مجموعۂ کلام حضرت مولانا سید عبد الشکور آہؔ مظفرپوریؒ)

مرتب: اختر امام عادل قاسمی (ابن حفید حضرت آہؔ)

سن اشاعت: ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء

صفحات: 329

قیمت: 300

ناشر: مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منوروا شریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

ملنے کے پتے

☆ جامعہ ربانی منوروا شریف، پوسٹ: سوہما، وایا: بتھان، ضلع سمستی پور، بہار، 848207-رابطہ نمبرات: 9934082422 - 9473136822 ویب سائٹ:

www,jamiarabbani.org email. Jamia.rabbani@gmail.com

☆ مکتبہ الامام، سی 212، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو پارٹ ۲، جامعہ نگر، اوکھلا، نئ دہلی 25

فہرست مضامین کتاب

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
۱	کلام آہ کا فکری وفنی مطالعہ	۱۵
۲	آہ کی شاعرانہ عظمت	۱۵
۳	اعلیٰ شاعری کا معیار	۱۶
۴	کلام آہ کی شعری خصوصیات	۱۸
۵	حسن بندش اور غنائیت	۱۹
۶	شاعری کے الگ الگ رنگ	۲۵
۷	شاعری اپنے عہد کا آئینہ ہوتی ہے	۳۰
۸	آہ کے یہاں ہر رنگ وآہنگ	۳۰
۹	عربی وفارسی شاعری کے نمونے	۳۴،۳۵
۱۰	شاعری کی قسمیں	۳۷
۱۱	داخلی شاعری وخارجی شاعری	۳۷
۱۲	اصناف سخن	۳۷
۱۳	ہیئتی اصناف شاعری	۳۹
۱۴	قطعہ	۳۹
۱۵	فرد	۴۱
۱۶	مثنوی	۴۲
۱۷	رباعی	۴۴

صفحات	مضامین	سلسلہ نمبر
۴۶	مسمط	۱۸
۴۷	مخمس	۱۹
۴۹	مسدس	۲۰
۵۲	ترجیع بند	۲۱
۵۳	ترکیب بند	۲۲
۵۴	تضمین	۲۳
۵۹	موضوعی اصناف شاعری	۲۴
۵۹	حمد	۲۵
۶۱	نعت	۲۶
۶۲	آہ کی نعتوں میں نکات سیرت	۲۷
۶۵	نظم	۲۸
۶۶	پابند نظم	۲۹
۶۷	نظم معریٰ(Blank Verse)	۳۰
۶۷	نظم آزاد(Free Verse)	۳۱
۷۱	قصیدہ / منقبت	۳۲
۷۳	مذہبی قصائد	۳۳
۷۵	تشبیب یا تمہید	۳۴
۷۶	گریز	۳۵
۷۶	مدح	۳۶

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
۳۷	حسن طلب	۷۶
۳۸	آہ کے سہرے	۷۶
۳۹	مرثیہ	۷۷
۴۰	غزل	۸۱
۴۱	آہ بحیثیت غزل گو شاعر۔فکری وفنی عناصر	۸۵
۴۲	سادگی اور سبک روی	۸۵
۴۳	فکری اعتدال	۸۶
۴۴	عشق لافانی	۸۸
۴۵	عشق حقیقی	۸۹
۴۶	شکوۂ محبوب	۹۱
۴۷	عشق کا سود وزیاں	۹۳
۴۸	محبت بشرط اہلیت قابل ملامت نہیں	۹۷
۴۹	کلام آہ میں علمی واخلاقی مضامین	۹۸
۵۰	شریعت وطریقت کا امتزاج	۹۹
۵۱	بغیر شراب محبت کے دل کا دروازہ نہیں کھلتا	۱۰۰
۵۲	فنا اور بقا	۱۰۱
۵۳	ربط وحضوری	۱۰۳
۵۴	قیادت کے لئے نسبت ضروری ہے	۱۰۶

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
۵۵	جگ بیتی اور آپ بیتی	۱۰۸
۵۶	لطائف حکمت	۱۰۹
۵۷	مقصد مرگ	۱۱۰
۵۸	حیات بعد الموت	۱۱۰
۵۹	حرمت شراب	۱۱۰
۶۰	موت کے بعد بھی گردش	۱۱۰
۶۱	مزار اندر مزار	۱۱۱
۶۲	حق وفا	۱۱۱
۶۳	قلب عاشق	۱۱۱
۶۴	شمع مزار	۱۱۲
۶۵	تربت کے پھول	۱۱۲
۶۶	دیوار عنصری	۱۱۳
۶۷	صلح کل	۱۱۳
۶۸	حقیقت زندگی	۱۱۳
۶۹	حقیقت کائنات	۱۱۴
۷۰	حسرت دیدار	۱۱۴
۷۱	کلام الٰہی کے آبگینے	۱۱۴
۷۲	کلیات	۱۱۵

صفحات	مضامین	سلسلہ نمبر
۱۱۶	عکس تحریر حضرت آہ	۷۳
۱۱۹	نعت پاک	۷۴
۱۲۰	عربی قصیدہ	۷۵
۱۲۱	فارسی نعت	۷۶
۱۲۵	نظمیں	۷۷
۱۲۶	بے ثباتی عالم	۷۸
۱۳۰	انقلابی نظم	۷۹
۱۳۴	منظوم استعفا	۸۰
۱۳۶	سہرے اور تہنیتی نظمیں	۸۱
۱۳۷	فسانۂ درد	۸۲
۱۴۰	نامۂ محبت	۸۳
۱۴۱	سہرے	۸۴
۱۵۱	مرثیے اور وفیات	۸۵
۱۵۲	مرثیۂ محبوب	۸۶
۱۵۸	محبوب بے نشان	۸۷
۱۵۸	قطعات تاریخ وفات	۸۸
۱۶۱	تاریخ طباعت دیوان شاہ حامد حسین حامدؔ	۸۹
۱۶۴	شیخ محبوب علی مرحوم	۹۰

صفحات	مضامین	سلسلہ نمبر
۱۶۵	تاریخ وفات حضرت مولانا بشارت کریمؒ	۹۱
۱۶۷	تاریخ وفات مولانا شاہ وارث حسن چشتیؒ	۹۲
۱۶۸	تاریخ وفات شیدا عظیم آبادی	۹۳
۱۶۹	تاریخ وفات شرف النساء	۹۴
۱۶۹	ماتم آہ	۹۵
۱۷۰	تاریخ وفات آہ	۹۶
۱۷۲	دیگر۔تاریخ وفات آہ	۹۷
۱۷۳	رباعیات	۹۸
۱۷۴	خمریات	۹۹
۱۸۰	غزلیات	۱۰۰
۱۸۱	جلوہ کا ترے خاص مکاں ہو نہیں سکتا	۱۰۱
۱۸۳	دل کو میخانہ بنا	۱۰۲
۱۸۵	عجب وہ دن تھے۔۔۔۔	۱۰۳
۱۸۷	عجب آگ دل میں لگا کر چلا	۱۰۴
۱۸۸	بہک کر بھی نہیں کہتے کبھی کچھ راز ساقی کا	۱۰۵
۱۹۱	کچھ پتہ راہ کا نہ منزل کا	۱۰۶
۱۹۵	خالی یہ گھر پڑا تھا پرستان ہو گیا	۱۰۷
۱۹۸	نگاہوں کا ملنا غضب ہو گیا	۱۰۸

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
۱۰۹	وار کر کے میرا قاتل تھک گیا	۲۰۰
۱۱۰	۔۔۔وطن چھوٹ گیا	۲۰۲
۱۱۱	یہ کس نے تھام کے دل سوئے آسماں دیکھا	۲۰۴
۱۱۲	دیکھنا پھر جو سر حشر تماشا ہو گا	۲۰۶
۱۱۳	کوچۂ یار سے دشوار نکلنا دیکھا	۲۰۸
۱۱۴	دل جگر کیا چاہئے فرمائیں آپ	۲۱۰
۱۱۵	غم ہے الم ہے آہ سحر ہے برائے دوست	۲۱۳
۱۱۶	اک بت خرد سال کی صورت	۲۱۴
۱۱۷	نظر جو آتی ہے فصل بہار کی صورت	۲۱۶
۱۱۸	ہم تمہیں سے پوچھتے ہیں یہ خبر سچ ہے کہ جھوٹ	۲۱۹
۱۱۹	اے فلک ہم دامن فریاد پھیلاتے ہیں آج	۲۲۳
۱۲۰	یوں مصور یار کی تصویر کھینچ	۲۲۷
۱۲۱	جمے ہیں در پہ ترے سنگ آستاں کی طرح	۲۲۹
۱۲۲	مانند آفتاب ہوا ماہتاب سرخ	۲۳۱
۱۲۳	عشق بلبل پہ ہے موقوف نہ پروانے پر	۲۳۴
۱۲۴	قدم رکھو تو بسم اللہ کہہ کر میرے مدفن پر	۲۳۶
۱۲۵	کس نے چڑھائے پھول ہمارے مزار پر	۲۳۸
۱۲۶	مسیحا بن کے رکھ دو ہاتھ میرے دل کی دھڑکن پر	۲۴۱

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
۱۲۷	شاکی نہیں فراق کے اب تو کسی سے ہم	۲۴۳
۱۲۸	شجر سکتے میں ہیں خاموش ہے بلبل نشیمن میں	۲۴۶
۱۲۹	جسے کہتے ہیں بحر عشق اس کے دو کنارے ہیں	۲۴۸
۱۳۰	بہت سی خوبیاں تھیں اس جوان میں	۲۵۰
۱۳۱	مثال شمع ہجر یار میں روتے ہیں جلتے ہیں	۲۵۲
۱۳۲	عید کا کچھ نہ ملا ہم کو مزا عید کے دن	۲۵۴
۱۳۳	ہم نے دیکھیں نہ سنیں ایسی فسوں گر آنکھیں	۲۵۶
۱۳۴	جنون اور وحشت کے مارے ہوئے ہیں	۲۵۹
۱۳۵	حقیقت میں وطن وہ ہے جہاں احباب رہتے ہیں	۲۶۰
۱۳۶	لوگ میرے لئے دعا نہ کریں	۲۶۳
۱۳۷	یا میرا سر نہیں رہے یا آستاں نہیں	۲۶۶
۱۳۸	میں آشنائے درد ہوں درد آشنا مرا	۲۶۸
۱۳۹	مشکلیں اتنی پڑیں ہم پر کہ آساں ہو گئیں	۲۷۰
۱۴۰	سر جھکا ہو پائے قاتل پر کھنچی تلوار ہو	۲۷۲
۱۴۱	بزم دل محشر خاموش ہوئی جاتی ہے	۲۷۵
۱۴۲	دل بھی مشتاق ہے جگر بھی ہے	۲۷۷
۱۴۳	کون جانے ترا میخانہ رہے یا نہ رہے	۲۷۸
۱۴۴	جو ضبط میں لذت ہے شکایت میں نہیں ہے	۲۷۹

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
۱۴۵	جو سودائے محبت تھا وہی خضر طریقت ہے	۲۸۰
۱۴۶	نہ پائی گردنالوں نے اثر کی	۲۸۴
۱۴۷	آسماں تک شرر گئے ہوتے	۲۸۶
۱۴۸	بہت غمناک میری داستاں ہے	۲۸۷
۱۴۹	کن کی وسعت کو سمجھنا چاہیئے	۲۸۹
۱۵۰	قابل تعظیم ہے اٹھتی جوانی آپ کی	۲۹۰
۱۵۱	دیکھو تو ہم اس ہجر میں کیا کیا نہ کریں	۲۹۱
۱۵۲	ستم ہر رات ہوتے ہیں جفا ہر روز ہوتی ہے	۲۹۲
۱۵۳	ایسی پر درد آہ کس کی ہے	۲۹۴
۱۵۴	دل کے شرارے نہ گئے	۲۹۶
۱۵۵	ہائے اک نا آشنا کے آشنا ہم ہو گئے	۲۹۷
۱۵۶	کیا تم لب اعجاز مسیحا نہیں رکھتے	۳۰۰
۱۵۷	جاتی ہے قضا دوڑی مسیحا کو بلانے	۳۰۲
۱۵۸	رفتہ رفتہ تری رفتار قیامت ہو گی	۳۰۴
۱۵۹	حور کے دامن میں چھانی جائے گی	۳۰۵
۱۶۰	خداوند عالم کی عنایت پر نظر رکھے	۳۰۶
۱۶۱	اک سکوں ہوتا ہے جب درد جگر ہوتا ہے	۳۰۷
۱۶۲	یہ دنیا مری دیکھی بھالی ہوئی ہے	۳۰۹

صفحات	مضامین	سلسلہ نمبر
۳۱۲	عشق کیا ہے موت کا پیغام ہے	۱۶۳
۳۱۵	تمہاری بدگمانی بے سبب معلوم ہوتی ہے	۱۶۴
۳۱۷	ہم سر حشر تماشا کرتے	۱۶۵
۳۱۹	نظر بند محبت ہے اسیر دام کاکل ہے	۱۶۶
۳۲۲	مریض عشق پہ رحمت خدا کی	۱۶۷
۳۲۴	حد سے سوا حضور یہ تعزیر ہو گئی	۱۶۸
۳۲۶	کتاب کے مراجع	۱۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ مظفر پوریؒ بیسویں صدی کے عظیم شاعر اور بڑے عالم ربانی تھے، ان کا مجموعۂ کلام آج سے دو سال قبل "ان کی سوانح حیات "تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ" کے ساتھ ایک باب کے طور پر شائع ہوا تھا، اب اس کی ادبی و علمی حیثیت کے پیش نظر مستقل طور پر "کلیات آہ" کے نام سے شائع کی جارہی ہے، اصحاب ذوق کے لئے یہ ایک قیمتی تحفہ ہے، امید ہے کہ اہل علم وادب کے یہاں اسے بھرپور پذیرائی حاصل ہوگی ان شاء اللہ۔

اختر امام عادل قاسمی

۲۶ / ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳ / نومبر ۲۰۲۰ء

کلام آہؔ کا فکری وفنی مطالعہ

(حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ کے مجموعۂ کلام کا فکری وفنی تجزیہ)

حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ مظفرپوری بیسویں صدی عیسوی کے عظیم شاعر تھے، ان کے کلام میں وہ تمام شاعرانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اس عہد کے بڑے شعراء کے یہاں موجود ہیں، بلکہ بلند پایہ عالم دین اور عظیم مفکر وفلسفی ہونے کے ناطے عالمانہ دقت نظر اور فلسفیانہ تفکر وتعمق مستزاد ہے۔

آہؔ کی شاعرانہ عظمت

ان کے یہاں روایت وانفرادیت کا حیرت انگیز امتزاج اور حسن خیال اور حسن تنظیم کا شاندار توازن پایا جاتا ہے، فکر ومعنٰی، ترکیبات وتعبیرات، ہیئت وساخت، شعری صناعت وبداعت، فنی تحفظات وتنوعات جس زاویہ سے بھی دیکھا جائے ان کا کلام بیسوی صدی کے بلند پایہ شعراء کے درمیان ایک انفرادیت اور معنویت رکھتا ہے، مگر ایک خود حضرت آہؔ کے اپنے مزاج کی عافیت پسندی اور طبیعت کی گوشہ نشینی، دوسرے ارباب سخن کی مسابقانہ کشمکش ـــــ جس نے ان کو اس دلدل سے دور رکھا اوران کو شعروادب میں وہ مقام نہ مل سکا جس کے وہ بجاطور پر مستحق تھے۔

کسی درجہ میں ان کی شخصیت کے درسی اشتغال اور خانقاہی رجحانات کو بھی اس کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے، کہ ان کی زندگی کا بڑا حصہ مدرسہ جامع العلوم (قدیم نام خادم العلوم) مظفرپور بہار، دارالعلوم مئو اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں قرآن وحدیث اور فقہ وفلسفہ کی تدریس میں

گذرا، اس سے جو وقت بچتا وہ خانقاہی ریاضت اور ذکر و شغل کی نذر ہو جاتا، مگر اسی کے ساتھ مشق سخن بھی جاری رہا، اور حسب موقعہ اپنا کلام ڈائری میں ضبط بھی کرتے رہے، کبھی رسائل و جرائد میں بھی کلام شائع ہوتا تھا۔۔۔

لیکن ان کے علمی شان و شکوہ میں ان کی شاعرانہ شخصیت دب کر رہ گئی، اور صوفیانہ انکسار نے ان کے کلام کا اکثر حصہ اہل فکر و نظر اور ارباب نقد و فن کی نگاہوں سے مستور رکھا۔

اعلیٰ شاعری کا معیار

ورنہ بقول کنھیا لال کپور:

"ایک جدید انگریزی نقاد کے نزدیک اعلیٰ شاعری میں تین خصوصیات کا ہونا ضروری ہے:- موسیقیت، معنویت اور اشاریت۔ ان تینوں میں اشاریت کا ہونا ازبس لازمی ہے، ذوقؔ کا ایک شعر ہے:

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا پل بنا، چاہ بنا، مسجد و تالاب بنا

یہ شعر چونکہ اشاریت سے خالی ہے اس لئے اسے عمدہ شعر نہیں کہا جا سکتا، اس کے برعکس غالبؔ کے اس شعر کو لیجئے:

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی کیوں ترا راہگذر یاد آیا

اس شعر میں جو اشاریت ہے اس کی وجہ سے سحر ہلال کا نمونہ بن گیا۔[1]

حضرت آہؔ کی شاعری کا اکثر حصہ ان تینوں کسوٹیوں پر پورا اترتا ہے، ان کے اکثر اشعار معنویت کے ساتھ موسیقیت اور اشاریت کا خوبصورت نمونہ ہیں، مثال کے طور پر یہ اشعار

[1] -ڈاکٹر کلیم احمد عاجزؔ (پٹنہ) کے مجموعۂ کلام "وہ جو شاعری کا سبب ہوا" پر کنہیا لال کپور کے تأثرات سے اقتباس ص ۵۷، ۵۸، مطبوعہ طوبیٰ پبلیشر حیدر آباد ۱۹۹۶ء۔

ملاحظہ کریں:

عشق میں مر کر مری مٹی ٹھکانے لگ گئی
حلقۂ تربت زیارت گاہ جانانہ بنا
بعد مرنے کے بھی قسمت میں مری گردش رہی
خم بنا، ساغر بنا، آخر کو پیمانہ بنا

یہاں تک اسے مجھ سے ہے اجتناب کہ تربت سے دامن بچا کر چلا

یہ کیسے مست ہیں مستی میں بھی ہشیار رہتے ہیں
بہک کر بھی نہیں کہتے کبھی کچھ راز ساقی کا

اچھی سے اچھی صورتیں اب دل میں رہتی ہیں
خالی یہ گھر پڑا تھا، پرستان ہو گیا

رہا چین سے دل ترے ہاتھ میں یہ وحشی بہت باادب ہو گیا
سیہ کار ہوتا ہے پِس کر عزیز رہا آنکھ میں سرمہ جب ہو گیا

کمال درد کی لذت کا یہ کرشمہ ہے ہزار رنج میں بھی دل کو شادماں دیکھا
غریق لجۂ آفت ہے عمر کی کشتی ہمیشہ باد مخالف میں بادباں دیکھا

حشر کہتے ہیں کسے، ہول قیامت کیا ہے　　وہ تو اک فتنۂ قامت کا سراپا ہو گا

مجھے جو دفن کیا رکھ کے دل کو سینے میں　　بنی مزار میں اک اور مزار کی صورت
خوشا نصیب کہ بعد فنا ہوا پابوس　　ترے قدم سے ملا میں غبار کی صورت

فراق دست حنائی میں آہ سینے سے　　ٹپک رہے ہیں لہو چشم خونچکاں کی طرح

گل ہوئی شمع محبت نہ کبھی گل ہو گی
عشق بلبل پہ ہے موقوف نہ پروانے پر
مٹ گیا سوز محبت کا اثر تربت سے
ورنہ افسوس نہ تھا شمع کے بجھ جانے پر

خوب ہوتا ہے کہ سر کٹتے چلے جاتے ہیں
لاش بسمل کی سبکدوش ہوئی جاتی ہے

کلام آہؔ کی شعری خصوصیات

آہؔ کی شاعری میں زبان وبیان کی شگفتگی بھی ہے اور فکر و نظر کی بلندی بھی، فصاحت وبلاغت کی چاشنی بھی ہے اور حسن خیال کی بالیدگی بھی، تصور کی پاکیزگی بھی اور حسن معنیٰ کی ربودگی بھی، فنی روایات کی پاسداری بھی ہے اور معنوی اقدار واوزان کی نگہداری بھی، مؤمنانہ غیرت وجسارت بھی اور زاہدانہ صبر وقناعت بھی، قلندرانہ جاہ وجلال بھی ہے اور فقیرانہ خاک

نشینی بھی، شاعرانہ خود پسندی بھی ہے اور صوفیانہ بے نفسی بھی، گرمی ذکر و فکر بھی اور نعرۂ احد احد بھی، تلقین صبر و شکر بھی اور دعوت انقلاب بھی، علمی ژرف نگاہی بھی اور فلسفیانہ تبحر و تعمق بھی، خود شناسی بھی اور خدا شناسی بھی، انسانیت بھی روبرو اور کائنات کی وسعتوں سے بھی گفتگو، غم جاناں بھی ہے اور غم زمانہ بھی، عرفان ذات بھی ہے اور مطالعۂ انفس و آفاق بھی، اقدار شکنی سے گریز بھی ہے اور تجدیدیت کا رجحان بھی۔۔۔۔۔

صاف ستھرا اچا تلا کلام، کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان، لب ولہجہ کا بانکپن، تراکیب میں حسن بندش اور اشعار رمزیت اور موسیقیت سے لبریز۔

حسن بندش اور غنائیت

مندرجہ ذیل اشعار کو دیکھیں کہ ان میں کیسی مٹھاس، کیسی غنائیت اور معنوی لطافت پائی جاتی ہے:

ملوسب سے محبت سے یہ ہے ارشاد رحمانی
اسی حق نے مزین کی ہے ساری بزم انسانی

مجوسی ویہودی مسلم وہندی ونصرانی
خراسانی وتاتاری وشامی و بدخشانی

لگایا ہے یہ سارا باغ عالم ایک مالی نے
تمہیں تفریق میں ڈالا ہے کس کوتہ خیالی نے

بحق مرشد برحق زہے قسمت جو ہو جائے
زمین قبر میری مورد الطاف رحمانی

نگاہ مرشد کامل ہے وجہ انبساط دل
نہیں تو میں کہاں بندہ کہاں یہ ذکر سلطانی

وہ درویش یکتا عطوف ورحیم سراپا محمد بشارت کریمؒ
رہے یاد مولیٰ میں خلوت پسند مگر فیض تھا ان کا فیض عمیم
انہیں جس نے جانا تو جانا یہی سراسر ہیں رحمت سراپا رحیم
مرے مرشد و مقتدائے جہاں ہمہ دم مطیع رسول کریمؐ

دل کو میخانہ بنا آنکھوں کو پیمانہ بنا
پاکبازوں کو پلا کر رند مستانہ بنا
خلوت توحید میں تو سب کو بیگانہ بنا
پہلے تو خود شمع بن پھر اسکو پروانہ بنا
کیوں بھٹکتے پھر رہے ہو دربدر اے آہ تم
کچھ تو سوچو کیوں دل آباد ویرانہ بنا

عجب وہ دن تھے عجب لطف کا زمانہ تھا
چمن میں گل تھے گلوں میں مرا فسانہ تھا
کسی کے حسن کا چرچا جو غائبانہ تھا
تو میرے عشق پہ حیرت زدہ زمانہ تھا

چمن میں گل تھے نہ بلبل کا آشیانہ تھا
قفس سے چھوٹے تو بدلا ہوا زمانہ تھا

ہجوم یاس والم نے کیا ہے دیوانہ
نہیں تو سر تھا مرا تیرا آستانہ تھا

بتوں سے دل نہ لگاتا تو کوئی کیا کرتا
جنون عشق میں اس کا کہاں ٹھکانہ تھا

اُدھر کوئی صورت دکھا کر چلا
اِدھر دل پہ بجلی گرا کر چلا

سراپا وہ شعلہ بنا کر چلا
عجب آگ دل میں لگا کر چلا

قیامت کی چالیں چلیں قبر پر
مٹایا بھی اور پھر جلا کر چلا

ہوئی بزم ساقی کی سنسان آہ
کوئی مست جب پی پلا کر چلا

یہ اشارہ ہے چشم قاتل کا
پھر تماشا ہو رقص بسمل کا

یہ تقاضا ہے دیدۂ و دل کا
نہ رہے فرق بحر و ساحل کا

طالب دید کو نہ جھڑ کیں اب
ردنہ کیجے سوال سائل کا

منزل عشق پر خطر ہے دیکھے تھے
لٹ نہ جائے یہ قافلہ دل کا

نالہ کیسا ہے اور فغاں کیسی
کچھ کہو بھی تو ماجرا دل کا

درد و غم جزو ہیں حقیقت کے
غیر ممکن ہے فصل داخل کا

اُدھر کوئی رخصت طلب ہو گیا — اِدھر آہ میں جاں بلب ہو گیا
الٰہی یہ کیسا غضب ہو گیا — وہ مجھ سے خفا بے سبب ہو گیا
بکھر آئیں زلفیں جو رخسار پر — گہن لگ گیا، روز شب ہو گیا

مرنے والے سے ترے ہائے وطن چھوٹ گیا
کس مپرسی میں اٹھی لاش-کفن چھوٹ گیا

وقت شانہ جو گرا غنچۂ دل چوٹی سے
زلف بل کھانے لگی سانپ کا من چھوٹ گیا

آہ محرومی قسمت سے وطن چھوٹ گیا
دوست سب چھوٹ گئے رشتہ ہر ایک ٹوٹ گیا

مونس و ہمدم بنالے قبر کا　　　لوح دل پر یار کی تصویر کھینچ
آہ و نالے کا ابھی ہو فیصلہ　　　تیغِ ابرو اوبت بے پیر کھینچ

وصل اس کا جو ہے موقوف قضا آنے پر
جان آمادہ ہے قالب سے نکل جانے پر
رنگ بدلا تری محفل کا ترے آنے پر
شمع جلتے ہی جلانے لگے پروانے پر
انتہا ہو گئی اب تو ستم ایجادی کی
خاک تک ڈالنے آئے نہ وہ دیوانے پر
سر میں سودا جو ہے تیرا تو اسیری میں بھی
دل ہے آمادہ تری زلف کے سلجھانے پر

بے مروت ہیں جفاجو ہیں ستمگر آنکھیں
خون کرتی ہیں یہ عاشق کا بدل کر آنکھیں
کتنی پر کیف ہیں متوالی ہیں دلبر آنکھیں
گویا چلتی ہیں چڑھا کے کئی ساغر آنکھیں
جز ترے اور کسی پر نہ پڑیں گر آنکھیں
حشر تک کیوں نہ رہیں طاہر و اطہر آنکھیں
دین و دنیا کو تو کرتی ہیں مسخر آنکھیں
یا الٰہی یہ ولی ہیں کہ پیمبر آنکھیں

نہ بنیں وادی الفت میں جو رہبر آنکھیں
چشم حق بیں کی نظر میں ہیں وہ دو بھر آنکھیں

تیر دل میں اتر گئے ہوتے   دیکھنے والے تر گئے ہوتے
تم اگر قبر پر گئے ہوتے   مرنے والے تو تر گئے ہوتے

آہ ہم قید کے مارے نہ گئے   ولولے دل کے ہمارے نہ گئے
یہ شباب اور غضب کی شوخی   اب بھی بچپن کے طرارے نہ گئے
اے فلک تجھ کو جلا دیتے ہم   کیا کہیں دل کے شرارے نہ گئے

جب خوشامد سے نہ مانی جائے گی   دوسری تدبیر ٹھانی جائے گی
مر مٹوں کو کیا مٹائے گا فلک   حشر تک ان کی کہانی جائے گی
بت چلے جاتے ہیں کعبہ کی طرف   آج منت کس کی مانی جائے گی
حسن پر اتنا غرور اچھا نہیں   چار دن میں یہ جوانی جائے گی

تہ کاکل جبین یار جب معلوم ہوتی ہے
حبش کے سایہ میں شکل حلب معلوم ہوتی ہے

ازل سے ایک صورت منتخب معلوم ہوتی ہے
کہ جس کی دیر و کعبہ میں طلب معلوم ہوتی ہے

ترے کوچے میں جا بیٹھیں نکلنا سخت مشکل ہے

یہ حسرت بھی زمیں بوس ادب معلوم ہوتی ہے

شاعری کے الگ الگ رنگ

آپ کی شاعری میں بے پناہ تاثیر ہے، یہاں درد و غم بھی ہے اور جوش و جذبہ بھی، فقر و مسکنت بھی ہے اور بڑے سے بڑے انقلاب کا حوصلہ و ولولہ بھی۔۔۔

کلیات اقبالؒ شائع ہوئی تو اس پر شیخ عبد القادر مرحوم بیرسٹر ایٹ لاء سابق مدیر مخزن نے اپنے دیباچہ میں یہ چونکا دینے والا فقرہ تحریر کیا:

"غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اس نے ان کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا، اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اس نے پنجاب کے ایک گوشہ میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں، دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا"[2]

بعض مبصرین کو شیخ عبد القادر کے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ آہنگ غالبؒ اور آہنگ اقبالؒ میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے، غالبؒ کا کوئی شعر بانگ درا یا بال جبرئیل میں شامل کر لیا جائے، وہ اجنبی سا لگے گا، اقبال کا انداز خطیبانہ ہے، اس میں مغربی موسیقی، جذبۂ حریت اور دعوت انقلاب کا جوش و خروش ہے، وہ کہتے ہیں:

---

[2] -دیباچہ کلیات اقبال ص ۹، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۹۷ء۔

مری فغاں سے رست خیز کعبہ و سومنات میں

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام خس وخاشاک
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایان خانقاہی
انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگ آستانہ
غلام قوموں کے علم و عرفاں کی ہے یہی رمز آشکارا
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے فضائے گردوں ہے بے کرانہ

جبکہ غالبؔ کے لہجے میں سوز و گداز ہے، فقر و مسکنت ہے، پسپائی اور شکستگی ہے اور درد و غم کی فراوانی ہے، غالبؔ فرماتے ہیں:

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

بسکہ ہوں غالبؔ اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغ جگر ہدیہ
مبارکباد اسدؔ، غم خوار جان دردمند آیا

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، غیر ہمیں ستائے کیوں
دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم، کوئی ہمیں اٹھائے کیوں
قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
غالبؔ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
رویئے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

میر تقی میرؔ کی شاعری بھی اسی غم ویاس کا نقطۂ عروج ہے اور مرزا غالبؔ نے اسی تصویر درد میں فلسفیانہ اور متصوفانہ رنگ بھرے ہیں، میرؔ فرماتے ہیں:

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا

سبز ان تازہ رو کی جہاں جلوہ گاہ تھی
اب دیکھئے تو واں نہیں سایہ درخت کا

جوں برگہائے لالہ پریشان ہو گیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

کس کا کعبہ ،کیسا قبلہ ،کون حرم ہے، کیا احرام
کوچے کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

یاں کے سفید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے تو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا ، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
ابھریں گے عشق دل سے ترے راز میرے بعد

شمع مزار اور یہ سوز جگر مرا
ہر شب کریں گے زندگی ناساز میرے بعد

بیٹھا ہوں میرؔ مرنے کو اپنے میں مستعد
پیدا نہ ہونگے مجھ سے بھی جانباز میرے بعد

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز اسی خانہ خراب کی سی ہے
آتش غم میں دل بھنا شاید دیر سے بو کباب کی سی ہے
دیکھئے ابر کی طرح اب کے میری چشم پر آب کی سی ہے

شاعری اپنے عہد کا آئینہ ہوتی ہے

دراصل ہر شاعر اپنے عہد کے حالات کا اسیر ہوتا ہے اور اس کی شاعری میں اس کی زندگی اور اس کے دور کا عکس موجود ہوتا ہے، میرؔ و غالبؔ کا دور اسلامی ہندوستان کے انتہائی خلفشار اور زوال کا تھا اور مقابل طاقت نے اپنی برتری کا سکہ ساری دنیا سے منوالیا تھا، اور روز افزوں مسائل و مشکلات کے حل کے لئے تدبیر کے ناخنوں کا فقدان تھا، قنوطیت کا تاریک سایہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا، میر تقی میرؔ اور مرزا غالبؔ کی شاعری انہی ظلمتوں اور مایوسیوں کی تصویر پیش کرتی ہے۔

جب کہ اقبالؔ کا دور نشاۃ نو کی تشکیل کا ہے، جب مسلمان مایوسیوں سے نکل کر اوپر اٹھنے کی کوشش کررہے تھے، اور ایک نئے مستقبل کی تعمیر کا منصوبہ بنارہے تھے، اس وقت ضرورت تھی للکار کی، اسلام کی حوصلہ افزاء تعلیمات اور قرآنی بشارتوں کو پیش کرنے کی، اقبالؔ کی شاعری اسی ضرورت کی تکمیل تھی۔

آہؔ کے یہاں ہر رنگ و آہنگ

حضرت آہؔ کا دور بھی یہی ہے، یہ اضطراب اور بے یقینی کا دور تھا، مسلمانوں کا سفینہ ایسے گرداب میں تھا جس سے نکلنے کے لئے حوصلوں کی ضرورت تھی، مگر مسلمانوں کی سیاسی قیادت ایسے مضبوط اور مخلص ہاتھوں سے محروم تھی، خدا سے نصرت کی امید بھی جاگتی تھی اور کبھی مایوسی کی لہر بھی پھیل جاتی تھی، قرآن و حدیث میں خدائی وعدے اس کو آگے کی طرف کھینچتے تھے، اور قوم کی بے عملی اور مخالف ہوائیں اس کو پیچھے ڈھکیل دیتی تھیں، آہؔ کی شاعری میں دونوں کا عکس موجود ہے، ان کے کلام میں اقبالؔ کا جوش وولولہ بھی ہے اور میرؔ و غالبؔ کا درد بھی ہے، حالات کی ستم ظریفیوں کا شکوہ بھی ہے، اور وعدۂ ربانی پر یقین بھی ہے، عزم سفر بھی ہے اور

خطرات کا اندیشہ بھی، میرؔ کا غم جاناں اور غالبؔ کا غم دوراں بھی ہے اور اقبالؔ کا طوفانوں سے ٹکرانے والا حوصلہ بھی، آہؔ کے کلام میں دونوں تصویریں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، دیکھئے ان کے درج ذیل اشعار:

میرے نالوں کو سن کے وہ بولے
ایسی پر درد آہؔ کس کی ہے

خوگر درد کو بے درد نہیں آتا چین
اک سکوں ہوتا ہے جب درد جگر ہوتا ہے

امارت سے مجھ کو سروکار ہے کیا
طبیعت ہی غربت کی پالی ہوئی ہے

مری تربت پہ افسردہ دلی کا دیکھ لو نقشہ
کہ جتنے پھول ہیں مرجھائے ہیں جو شمع ہے گل ہے

کمال درد کی لذت کا یہ کرشمہ ہے
ہزار رنج میں بھی دل کو شادماں دیکھا

اے جنوں تیری بدولت تو ہوئی سیر نصیب
دائمی رنج و الم دیکھا زمانہ دیکھا

کہتا ہے درد عشق کہ سر ہے برائے دوست
دل ہے برائے دوست جگر ہے برائے دوست
المختصر یہ حال ہے خانہ خراب کا
غم ہے الم ہے آہِ سحر ہے برائے دوست

ہمارا نالۂ پر درد سن کے فرمایا
اسی حزیں کی ہے آواز ناتواں کی طرح

ان اشعار میں درد کی کراہ اور آہوں کی سسکیاں صاف طور پر سنائی دیتی ہیں۔

دوسری جانب حوصلوں سے لبریز شاعری کے نمونے دیکھئے جس میں ان کی امیدوں کی حرارت اور انقلابی جذبات کی تپش واضح طور پر محسوس ہوتی ہے:

کرو شکر اس خدا کا جس نے دی ہے تم کو یہ دولت
تغیر کے تسلسل میں یہاں کی ہے ہر اک حالت
نہیں رہنے کی یہ حالت نہیں ملنے کی یہ مہلت
غنیمت ہے ملی ہے جس قدر یہ زیست اور صحت
یہاں رہ کر وہاں کے واسطے بھی کام کچھ کر لو
بہت لمبا سفر ہے زاد کچھ تو باندھ کر دھر لو

تم اٹھا لو ہاتھ میں پھر دوش خالدؓ کا علم
زور حیدرؓ کا دکھا دو اور عثماںؓ کا حشم

تم کو ہے کس بات کا کھٹکا بتاؤ کیا ہے غم
ساری دنیا سے زیادہ ہو کسی سے کب ہو کم

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

شیر نر بھی کانپتے ہیں تم سے اے شیر نبرد
کاخ کسرٰے کو مٹا کر کر دیا جب تم نے گرد

کیا تمہارے سامنے ہیں دشمنان روئے زرد
گرم جوشی تم کرو اغیار کی اب جلد سرد

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

گو کہ آہ کے یہاں غالب و اقبال جیسی بلند خیالی اور فلسفیانہ گہرائی کی کمی محسوس ہوتی ہے، لیکن مجموعی طور پر معاصر شعراء میں آہ کی شاعری ندرت خیال، زبان و بیان کی شگفتگی، فکر کی پاکیزگی، رمزیت، معنویت اور موسیقیت کے لئے ایک انفرادیت رکھتی ہے، اور اس کا احساس بغیر کسی تعلی کے خود ان کو بھی ہے، فرماتے ہیں:

کس طرح کہوں فخر زمانہ ہوں میں مجموعۂ فن دیکھو یگانہ ہوں میں

یہ بھی ہے کمالوں کی مرے پختہ دلیل
افلاک کے تیروں کا نشانہ ہوں میں

ہزار حیف کہ اس نے نہ مدعا سمجھا
مرا کلام ہے دشوار چیستاں کی طرح

آپ نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے، گو کہ اردو کے مقابلے میں عربی اور فارسی کا ذخیرہ بہت مختصر ہے، لیکن جو بھی ہے اس سے ان کی زبان دانی، اور شاعرانہ صلاحیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، عام طور پر نعت پاک یا قصیدہ و مرثیہ کے لئے آپ نے عربی و فارسی زبان استعمال کی ہے، اور تمام فنی نزاکتوں کا لحاظ رکھا ہے۔

عربی شاعری کے نمونے

عربی شاعری کے نمونے دیکھئے:

رسول اللہ ﷺ کے دربار اقدس میں خراج عقیدت پیش فرماتے ہیں

حان ان نثنی علیٰ خیرالوریٰ　　الذی نارت بہ شمس الہدیٰ
قد اری من نورہ یجلو القمر　　بل رأیت الشمس ایضاً ہٰکذا
قوت قلبی ذکرہ بل فکرہ　　رَوح روحی وصلہ و ا حسرتاہ
قد رأی و اللہ انوار الالہ　　من رأی انوار ذاک المرتضیٰ

ترجمہ: اب وقت آیا ہے کہ خیر الخلائق ﷺ کی ثنا خوانی کریں، جن کی روشنی سے آفتاب ہدایت منور ہوا، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شمس و قمر سرکار دوعالم ﷺ کے نور سے روشن ہیں، آپ کی یاد اور آپ کا پاک خیال میرے دل کی غذا ہے، اے کاش! میری روح کی زندگی اور تازگی آپؐ کے وصل سے وابستہ ہے قسم بخدا! جس نے ذات مرتضیٰ ﷺ کا نور دیکھا اس نے گویا انوار الٰہی کا مشاہدہ کیا۔

☆ اپنے استاذ جلیل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے وصال پر مرثیہ تحریر فرمایا جس کا ایک بند یہ ہے:

کیف لااصلی بنار الہم اذ لم یبق لی
من شیوخ اوعطوف ذی صلاح او کریم
مات قطب الوقت شیخ الہند محمودالحسن
قبل لی ـــہا روحہ فازت بجنات نعیم

ترجمہ: میں آتش غم میں کیوں کر نہ پگھلوں جب میرا کوئی شیخ مصلح اور سرپرست باقی نہیں رہا، قطب وقت حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ کی وفات ہوئی تو ہاتف غیبی نے مجھ سے کہا کہ ان کی روح باغ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔

فارسی شاعری کے نمونے

☆ فارسی زبان میں حضرت آہؔ کی طویل نعت موجود ہے، جس میں ذات رسالت مآب ﷺ کے مختلف مقامات وصفات پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً:

اے کہ از نامت نمایاں جاہ و فخر سروری
رفت صیت خلق تو بالائے چرخ چنبری

روئے تو نور الہدیٰ بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ
ذات تو در عُلو رشک گنبد نیلوفری

فضل تو در ذات پنہاں مثل باراں در سحاب
حلم از رویت جلی چوں حسن از حور و پری

زانتقاش نقش پایت فخر ہا دارد زمیں
وز غبار راہوارت چرخ را ایں برتری

سابع ارض شعیرہ نسبتے دارد بارض
ہم چنیں نسبت بہ تو دارد فلک در برتری

پایگاہت برتر از پرواز طیر عقل کل
زآستانت مفتخر شد قصر ترک و قیصری

من چہ دانم تا بگویم وصف تو اے کان جود
لیک از بہر سعادت کردم ایں مدحت گری

☆حضرت شیخ الہند کے فارسی مرثیہ کا ایک بند ہے:

نالہا بگذشت از چرخ بریں

ز انتقال حامی دین متیں

از سر دل سال رحلت گفت آہ

مات محمود الحسن موت الیقین

☆حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کی وفات پر ایک پر تاثیر مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

مہ غم رسید و شب بستم آہ　　　　که بربست رختش بحکم حکیم

چو رفتند آمد بگوشم ندا　　　　مکیں شد معزز بخلد نعیم

☆شیخ محبوب علی مرحوم کا مرثیہ بھی فارسی زبان میں ہے، چند اشعار ملاحظہ کریں:

حیف صد حیف آنکہ بُد مشہور در آفاقہا

با مروت بے ریا کان عطا بحر سخا

روز عاشورہ پدید او بست سامان سفر

سایۂ لطف اتم ہیہات شد از ماجدا

جملہ افتادند از رنج والم در شور و شین

شد زمین و آسماں ہم چوں زمین کربلا

چوں ز بے ہوشی بہ ہوش آمد دل صد چاک من

جستجوئے سال رحلت کردم از بہر بقا

اس طرح آہ نے اردو کی طرح عربی اور فارسی میں بھی اپنے فن کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

شاعری کی قسمیں

اس کے بعد آیئے آہ کی شاعری پر ذرا فکری اور فنی اعتبار سے ایک نظر ڈالیں، آہ نے ہیئتی اور موضوعی (معنوی) اکثر اصناف سخن کو اپنے اظہار خیال کا محور بنایا ہے۔

شاعری دو قسم کی ہوتی ہے (۱) داخلی شاعری (۲) اور خارجی شاعری،

داخلی شاعری و خارجی شاعری

داخلی شاعری کو ذاتی شاعری بھی کہا جاتا ہے جس میں شاعر خود اپنی ذات میں موضوعات کی تلاش کرتا ہے، اور اپنے ہی جذبات، احساسات اور خیالات کو الفاظ کا پیکر دیتا ہے، اگر شاعر اپنے کلام کا مواد بیرونی دنیا میں تلاش کرے، اور گردوپیش کے حالات، وسیع کائنات یا مناظر فطرت کو شاعری کا موضوع بنائے تو اہل فن کی اصطلاح میں یہ خارجی شاعری کہلاتی ہے۔

اصناف شاعری میں غزل اور رباعی اسی طرح مرثیہ کی ایک قسم شخصی مرثیہ عموماً داخلی عناصر کا احاطہ کرتی ہے، کیونکہ ان میں اکثر شاعر اپنے داخلی جذبات واحسات کا اظہار کرتا ہے، خارجی دنیا اور گردوپیش کے مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں تو اپنے جذبات کے آئینے میں ان کی تصویر کشی کرتا ہے، ان کے علاوہ اصناف خارجی شاعری کے زمرہ میں آتی ہیں۔

اصناف سخن

شاعری کے مواد اور موضوعات کے لحاظ سے یہ عمومی تقسیم ہے، لیکن اگر شاعری کے اصناف کا جائزہ لیا جائے تو اس کی تقسیم دو اعتبار سے کی گئی ہے:

(۱) ہیئت و ساخت کے لحاظ سے، یعنی مصرعوں کی ساخت و پرداخت، الفاظ کی تراکیب ،جملوں کی نشست و برخاست، عروض و قوافی اور بحور و اوزان کے لحاظ سے اشعار کو مختلف زمروں

میں تقسیم کیا گیا ہے، مثلاً قطعہ، فرد، مثنوی،، رباعی، مسمط، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، متسع، معشر، ترجیع بند، ترکیب بند،، مستزاد، تضمین وغیرہ۔

(۲)موضوع و معنٰی کے لحاظ سے: جس میں ہیئت سے زیادہ معنٰی اور موضوع تقسیم کی بنیاد بنتے ہیں، مثلاً: حمد، نعت، نظم، قصیدہ، منقبت، مناجات، مرثیہ، نوحہ، غزل، شہر آشوب، صلوٰۃ وسلام، واسوخت، گیت، دوہا، ماہیا اور ریختی وغیرہ، البتہ ان میں کچھ اصناف ایسی بھی ہیں جن میں ہیئت و موضوع دونوں ملحوظ ہوتے ہیں اور کسی ایک کا لزوم نہیں ہوتا ان کو موضوعی ہیئتی اصناف کا نام دیا جاتا ہے، مثلاً کئی حضرات نے قصیدہ اور مثنوی کا شمار اسی صنف میں کیا ہے، اس لئے کہ قصیدہ کسی بھی ہیئت شعری میں کہا جاسکتا ہے اسی طرح مثنوی کی ہیئت میں کوئی بھی مضمون باندھا جاسکتا ہے[3]۔

ان میں سے ہر ایک کی تشریح کی جائے تو مضمون کافی بوجھل ہو جائے گا، تفصیلات اردو تاریخ وادب کی کتابوں میں موجود ہیں، یہاں صرف چند اصناف سخن کی روشنی میں کلام آہ کا ایک ادبی مطالعہ پیش کرنا مقصود ہے، اگر چیکہ یہ کتاب - جیسا کہ ان کے دیوان ناتمام کی سرگذشت کے ضمن میں پہلے عرض کرچکا ہوں- حضرت آہ کے کلام کا مکمل مجموعہ نہیں ہے، بہت سی چیزیں ضائع ہو گئیں اور کئی چیزیں بعض مصلحتوں سے قابل اشاعت نہیں سمجھی گئیں[4]،

---

[3] - مختصر تاریخ اردو ادب اور اصناف شعری، مؤلفہ ڈاکٹر سیدہ زہرہ بیگم ص۱۶۷ ناشر بوستان اشہر حیدرآباد ۲۰۰۵ء۔

[4] - یہ کلیات جس کو حضرت آہ نے دیوان کا نام دیا تھا، اور حروف تہجی کی ترتیب پر اپنے خوشخط قلم سے اس کو لکھنا شروع کیا تھا، اس میں جگہ بجگہ حک وفک اور تصیحات واصلاحات خود انہی کے قلم سے موجود ہیں، لیکن اس مسودہ کے تیار ہونے سے پہلے ہی وقت موعود آپہونچا، اور وہ واصل بحق ہو گئے۔

اس طرح یہ دیوان مکمل نہ ہوسکا، اور شعر وشاعری اور علم اوادب کا وہ متاع گرانمایہ جو ان کے ذہن ودماغ یا متفرق کاغذات میں محفوظ تھا زیب قرطاس ہونے سے رہ گیا، دس (۱۰) سے زیادہ حروف تہجی پر کوئی شعر نہیں آسکا، اور ان کی شاعری پر یہ کام بھی اتنی تاخیر سے شروع ہوا کہ وہ متفرق کاغذات بھی میسر نہ آسکے۔۔۔۔اب ہم فنی طور پر اس

بااین ہمہ اس کلیات میں اردو شاعری کی اکثر اصناف شعری کو اظہار خیال کا وسیلہ بنایا گیا ہے، اس ضمن میں بطور نمونہ ہیئت و موضوع دونوں اصناف میں سے کچھ چیزیں پیش کی جارہی ہیں، جن سے اس کلیات کی جامعیت اور معنویت کا اندازہ ہوگا:

ہیئتی اصناف شاعری

قطعہ

قطعہ کے لغوی معنیٰ ہیں "ٹکڑا" یا کاٹا ہوا" ادبی اصطلاح میں قطعہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جو ظاہری طور پر غزل یا قصیدہ کا کٹا ہوا حصہ معلوم ہو، قطعہ میں کم سے کم دو اشعار اور زیادہ سے زیادہ سترہ (۱۷) اشعار ہوتے ہیں، بعض شعراء کے یہاں اس سے زائد اشعار بھی قطعہ میں ملتے ہیں، قطعہ کے اشعار معنیٰ کے اعتبار سے مربوط اور مسلسل ہوتے ہیں، قطعہ میں عموماً مطلع نہیں ہوتا[5]۔

قطعہ فارسی سے اردو میں آیا، ہر عہد کے شعراء نے اس صنف کو ذریعۂ اظہار بنایا ہے مثلاً شہر دہلی کے بارے میں میر کا مشہور قطعہ ہے:

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو!
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دیوان ناتمام کو دیوان نہیں کہہ سکتے تھے، اسی لئے میں نے بعض اہل علم و نظر (جن میں میرے ماموں جان، صاحب دیوان شاعر، ناقد و ادیب جناب مولانا محی الدین سالکؔ صاحب فاضل دیوبند سابق آر ڈی ڈی در بھنگہ کمشنری و اسپیشل ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم حکومت بہار سر فہرست ہیں) کے مشورہ سے اس مجموعۂ کلام کا نام کلیات آہؔ تجویز کیا۔

5 -اردو شاعری کا فنی ارتقا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص ۱۴۱ ۴۴ عفیف پرنٹرس لال کنواں دہلی ۱۹۹۸ء۔

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب

بستے تھے جہاں منتخب ہی روز گار کے

اس کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

اسی طرح اکبرؔ الٰہ آبادی کا مشہور قطعہ ہے:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں

اکبرؔ زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا

کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

آہؔ نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے:

یہی خیال تھا عہد وفا کریں گے ہم

کسی کے عشق میں مر کے جیا کریں گے ہم

نگاہ غور سے دیکھا تو یہ نظر آیا

عذاب حال میں نہ دل مبتلا کریں گے ہم

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ

علم و فن میں یگانہ ہیں ہم لوگ

چٹکیوں میں اڑا دیں گے دشمن کو

توپ کے پیش دہانہ ہیں ہم لوگ

آہؔ نے متعدد شخصیات کی تاریخ وفات پر بھی کئی قطعات لکھے ہیں، مثلاً:

تھا مری تقدیر میں لکھا جو غم　　　چل بسا وہ دل ربا سوئے ارم
سال رحلت آہؔ جب یاد آگیا　　　منہ سے نکلا میرے ہائے رنج و غم
(۱۳۱۵ھ)

فرد

"فرد" کے لغوی معنیٰ ایک کے ہیں، ادبی اصطلاح میں ایک شعر یا دو مصرعوں کو فرد کہتے ہیں، ان میں مصرعوں کی پابندی نہیں ہوتی، یہ دونوں مصرعے ہم قافیہ بھی ہوسکتے ہیں اور مختلف القافیہ بھی، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شاعر کے ذہن میں اچانک کوئی اچھا شعر آجاتا ہے، مگر مزید اشعار نہیں ہوپاتے، اس لئے وہ بیت کی طرح تنہارہ جاتا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غزل کا ہر شعر مطلع کے علاوہ اپنی جگہ فرد ہوتا ہے، لیکن محققین فن نے اس کو غلط قرار دیا ہے[6]۔

فرد کی مثال میں محی الدین مخدومؔ کا یہ مشہور شعر پیش کیا جاسکتا ہے:

حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

آہؔ کے مجموعۂ کلام میں بھی ایک فرد ہمیں ملتا ہے، جو انہوں نے مرحومہ شرف النساء بنت محمد مصطفیٰ کی تاریخ وفات پر کہا ہے:

بزیر خاک چوں جائے نہاں یافت
شہید ایں حیات جاوداں یافت (۱۳۵۵ھ)

---

[6] ۔ مختصر تاریخ اردو ادب ص ۲۱۴۔

مثنوی

"مثنوی" کے معنیٰ لغت میں دو جز والی چیز کے ہیں، یہ لفظ مثنیٰ سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ہیں ہو بہو یا نقل، کیونکہ مثنوی کے ہر شعر میں مصرعۂ اولیٰ مصرعۂ ثانی کا مثنیٰ ہوتا ہے۔۔۔۔

ادب کی اصطلاح میں مثنوی ایسی طویل نظم کو کہتے ہیں جس میں کوئی عشقیہ داستان یا تاریخی واقعہ بیان کیا جائے، اس کا مضمون مسلسل یا مربوط ہوتا ہے۔۔۔ مثنوی کے تمام اشعار ہم قافیہ ہوتے ہیں لیکن ہر شعر کا قافیہ جداگانہ ہوتا ہے، اس میں قافیہ کے ساتھ ردیف کا لزوم بھی نہیں ہے، اس طرح خیالات کے اظہار کے لئے اس صنف میں بڑی سہولت ہے، اور شاعر طویل سے طویل نظم کہتا چلا جاتا ہے۔

یہ صنف بھی فارسی سے آئی ہے، اور ملاوجہیؔ، میر تقی میرؔ، میر حسنؔ، پنڈت شنکر نسیمؔ، مرزا شوقؔ، محمد حسین آزادؔ اور علامہ حالیؔ جیسے ممتاز شعراء نے اس صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، خاص طور پر میر حسنؔ کی سحر البیان کو اس صنف میں کافی شہرت حاصل ہوئی، جس کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ　　　کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ

بہت حشمت و جاہ و مال و منال　　　بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال

کئی بادشاہ اس کو دیتے تھے باج　　　خطا اور ختن سے وہ لیتا خراج

بعد کے ادوار میں محمد حسین آزادؔ اور علامہ حالیؔ نے اس کو وسعت دیتے ہوئے اس میں اخلاقی مضامین بھی شامل کئے۔

حضرت آہؔ نے بھی اسی روش پر چلتے ہوئے محبوب سے ہم کلامی کے علاوہ اخلاقی مضامین کو بھی موضوع بنایا، اور کئی طویل مثنویاں لکھیں مثلاً:

☆رفیقۂ حیات کے نام ایک منظوم خط میں اپنی بے قراری اور رخصت نہ ملنے کی داستان اس طرح رقم فرمائی:

اے سراپا محبت و خوبی گوہر بحر حسن و محبوبی
شمع محفل سکون پروانہ رنگ گل اور بوئے مستانہ
محرم راز و جان آہ حزیں مرہم زخم دل جگر کی مکیں
تم سلامت رہو ہزار برس باکرامت رہو ہزار برس
تیسرا خط یہ نظم کرتا ہوں فسخ آنے کا عزم کرتا ہوں
کچھ تو بیمار و ناتواں ہوں میں بیکسی میں پڑا یہاں ہوں میں
گذریں گی مدتیں کئی دن کی رات کٹتی ہے جیسے کمسن کی

☆اسی طرح دنیا کی بے ثباتی پر ایک طویل نظم لکھی ہے جس کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

جہان بے بقا کی دوستو! ہر چیز فانی ہے
تنفس کی طرح ہر شے یہاں کی آنی جانی ہے
غرض ہونا یہاں کا اک نہ ہونے کی نشانی ہے
تمہیں دیکھوں کہاں وہ شوکت نوشیروانی ہے
نظر آتے ہیں جو نقشے یہ سارے مٹنے والے ہیں
اجل نے دھکے دے دے کر ہزاروں کو نکالے ہیں

☆مسلم نوجوانوں کے لئے آہ کی طویل انقلابی نظم بھی اسی صنف میں لکھی گئی ہے:

جلد اعداء وطن کا منہ عدم کو موڑ دو
کوہ بھی حائل اگر ہو بیچ میں تو توڑ دو

جو دکھائے آنکھ تم کو آنکھ اس کی پھوڑدو
موت سے اغیار کے رشتے کو اٹھ کر جوڑدو

رباعی

رباعی "ربع" سے مشتق ہے جس کے معنٰی چار کے ہیں، یہ چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے اسے رباعی کہتے ہیں ،اس کا قدیم فارسی نام "چہار بیتی" بھی ہے، پھر اس کو" دو بیتی" اور "ترانہ" بھی کہا گیا ہے [7]۔

رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہونا لازم ہے، تیسرا مصرعہ بھی ہم قافیہ ہو جائے تو کوئی عیب کی بات نہیں، البتہ جس رباعی میں تین مصرعے ہم قافیہ ہوں اس کو ادبی زبان میں "خصی رباعی" کہتے ہیں اور جس میں چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں اس کو "غیر خصی رباعی" کہتے ہیں، "خصی" ناقص کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے، رباعی کے چاروں مصرعوں میں ایک ہی خیال کی بندش ہوتی ہے، رباعی میں مستعمل ہر لفظ بامعنٰی ہوتا ہے اسی لئے یہ مختصر ترین ہونے کے باوجود مشکل ترین صنف مانی جاتی ہے، رباعی کا سارا حسن چوتھے مصرعہ پر منحصر ہوتا ہے، شاعر اس کی بندش میں اپنی پوری قوت بیان صرف کر دیتا ہے۔۔ رباعی مخصوص بحر ہی میں کہی جاسکتی ہے، بقول ڈاکٹر سیدہ جعفر:

> "علم عروض کے ماہروں نے بحر ہزج سالم سے جو مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن ہے دس (۱۰) ارکان نکالے ہیں اور انہیں رباعی کے لئے مخصوص کر دیا ہے، ان میں ایک رکن سالم آتا ہے، اور باقی نو (۹) زحافات کے ساتھ [8]۔

---

[7]۔ دکنی رباعیات ص ۳ مؤلفہ ڈاکٹر سیدہ جعفر مطبوعہ آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی ۱۹۶۶ء۔

صنف رباعی فارسی سے اردو میں آئی، اور جنوبی ہندوستان سے اس کا آغاز ہوا، پہلے رباعی گو شاعر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ مانے جاتے ہیں، جنوب میں امجدؔ حیدرآبادی نے اس میں زبردست شہرت حاصل کی، ان کی یہ رباعی زبان زد خاص و عام ہے:

ہر چیز مسبب سے سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

شمالی ہندوستان کے اکثر بڑے شعراء نے بھی رباعیات کہی ہیں اور اس صنف کو بام عروج تک پہونچایا ہے، حضرت آہؔ نے بھی اس سلسلے کو آگے بڑھایا اور پیش رو شعراکے نقش قدم پر چلتے ہوئے بہت ہی کامیاب رباعیات تحریر فرمائیں، مثلاً:

مدت سے ہے تجھ پر بدگمانی ساقی — مستوں سے ہے بے جا لن ترانی ساقی
صدقے میں جوانی کے کرم ہو تیرا — دے دے کوئی جام ارغوانی ساقی

بادل کی گرج ہے زندگانی ساقی — بجلی کی چمک ہے نوجوانی ساقی
لمحے ہیں یہی پینے پلانے کے چند — لا جلد شراب شادمانی ساقی

مل جائے جو حور آسمانی ساقی — پیری میں ہو لطف نوجوانی ساقی
مستی میں شراب شوق مل جائے اگر — چلتا رہے جام ارغوانی ساقی

---

[8] - دکنی رباعیات ص ۱۴۲ مؤلفہ ڈاکٹر سیدہ جعفر۔

ساقی کی جو آنکھوں کا کرشما دیکھے
چلتے ہوئے جادو کا تماشا دیکھے
مستی میں چھلک جائے جو ساغر کوئی
ہر قطرہ میں عرفان کا دریا دیکھے

کیونکر نہ کہوں غربت وطن ہے اے آہ
جب اہل وطن کو سوئے ظن ہے اے آہ
کانٹے کی طرح مجھ کو نکالا صد حیف
اعداء کو مبارک یہ چمن ہوا اے آہ

عاقل نہ خردمند نہ فرزانہ ہے
ہر شمع جمال کا جو پروانہ ہے
کس طرح سے سمجھائیں دل وحشی کو
میخانۂ الفت کا یہ دیوانہ ہے

مسمط

"مسمط" تسمیط سے مشتق ہے، اس کے معنٰی ہیں موتی پرونا، مسمط ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کئی بند ہوں، اور تمام بندوں کے مصرعوں میں وزن اور بحر تو یکساں ہو، لیکن ہر بند کے مصرعے قافیہ کے لحاظ سے مختلف ہوں، نظم کے بندوں میں اگر مصرعے طاق یعنی تین، پانچ، سات کی تعداد میں ہوں تو ہر بند کا آخری مصرعہ قافیہ کے اعتبار سے یکساں ہو گا، اور اگر مصرعوں کی تعداد جفت یعنی چار اور چھ ہو تو ہر بند کا آخری مصرعہ مختلف القافیہ ہو گا، اس لحاظ سے مسمط کی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، متسع اور معشر، ان میں ابتدائی چار قسمیں اردو شاعری میں زیادہ مستعمل اور معروف رہی ہیں، بقیہ اقسام کا استعمال

اردو میں بہت کم ہوا ہے۔۔۔۔

حضرت آہ کے کلام میں مثلث (تین بند) اور مربع (چار بند) بھی موجود نہیں ہیں، ان کے یہاں صرف مخمس اور مسدس کا استعمال ہوا ہے۔

مخمس

"مخمس" عربی لفظ "خمسۃ" سے بنا ہے، جس کے معنٰی ہیں پانچ (۵)، شعری اصطلاح میں مخمس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور دوسرے بند سے ابتدائی چار مصرعے ایک ہی قافیے میں ہوتے ہیں اور پانچواں مصرعہ مطلع کے قافیہ کی پابندی کرتا ہے، کبھی ساری نظم میں پانچواں مصرعہ بہ تکرار ملتا ہے[9]۔

نظیر اکبر آبادی کی زیادہ تر نظمیں مخمس میں ملتی ہیں جن میں زیادہ تر پانچویں مصرعہ کی تکرار کی گئی ہے، مثلاً ان کی مشہور نظم "آدمی نامہ" کا ایک بند ملاحظہ کیجئے:

دنیا میں بادشاہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

علامہ اقبال نے ہندوستانی بچوں کا قومی گیت بھی مخمس ہی میں لکھا ہے، جس کا ایک بند یہ ہے:

9۔ مختصر تاریخ اردو ادب ص ۲۱۰۔

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

حضرت آہ نے بھی اس صنف میں بہترین نمونے چھوڑے ہیں، ایک نظم کے چند بند ملاحظہ کریں:

ہے تمہارا ہر نقب آفاق میں خیبر شکن
چیر ڈالے تم نے آسانی سے شیروں کے دہن

اب ہو تم خاموش کیوں بیٹھے ہوئے اے جان من
ہاتھ میں شمشیر لے لو باندھ لو سر سے کفن

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

تم اٹھالو ہاتھ میں پھر دوش خالدؓ کا علم
زور حیدرؓ کا دکھادو اور عثماںؓ کا حشم

تم کو ہے کس بات کا کھٹکا بتاؤ کیا ہے غم
ساری دنیا سے زیادہ ہو کسی سے کب ہو کم

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

شیر نر بھی کانپتے ہیں تم سے اے شیر نبرد
کاخ کسرےٰ کو مٹا کر کر دیا جب تم نے گرد

کیا تمہارے سامنے ہیں دشمنان روئے زرد
گرم جوشی تم کرو اغیار کی اب جلد سرد
اے میرے پیرو جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

مسدس

یہ لفظ سدس سے مشتق ہے ،اس کے معنی "چھ " کے ہیں ،ادب کی اصطلاح میں مسدس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کے ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ اور دو مصرعے نئے قافیے کے ساتھ ہوں، لیکن مطلع میں عموماً پورے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں،علامہ حالؔی کی نظم "مدوجزر اسلام "پوری مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی ہے،اسی لئے یہ "مسدس حالؔی" کے نام سے مشہور ہے،اس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا
کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

میر انیس کا شہرۂ آفاق مرثیہ بھی تقریباً اسی ہیئت میں ہے، دیکھئے نمونہ:

جب کہ خاموش ہوئی شمع امامت رن میں
دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں

اور تڑپنے لگا وہ سرو سا قامت رن میں
صاف ظاہر ہوئے آثار قیامت رن میں

چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھراتی تھی
نالۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی تھی

حضرت آہ کا شعری سرمایہ بھی قیمتی مسدسات سے مالا مال ہے، انہوں نے کئی نظمیں اس ہیئت میں لکھی ہیں، چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

اسی کی ذات واحد ہے قدیم و باقی و قائم
جو تھا پہلے ازل سے اور رہے گا اک وہی قائم

جہاں کے ظالم و سفاک و جابر منعم و ناعم
شریف و خود پسند و بے نوا اور زاہد و صائم

عزیز اور آشنا اغیار اور احباب جتنے ہیں
ذرا یہ بھی تو دیکھ ان سب میں تیرے دوست کتنے ہیں

بھرا ہے یہ جو سودائے ہوس ایک ایک کے سر میں
پھنسا رکھا ہے جس نے کر کے حیراں ایک چکر میں

نہ آسائش سفر میں دے نہ دم لینے دے یہ گھر میں
قضائے ناگہانی سے نکل جائے گا دم بھر میں

گھڑی جب آنے والی آ گئی سب بھول جائیں گے
دکھایا جب منہ اس نے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے

کر و شکر اس خدا کا جس نے دی ہے تم کو یہ دولت
تغیر کے تسلسل میں یہاں کی ہے ہر اک حالت
نہیں رہنے کی یہ حالت نہیں ملنے کی یہ مہلت
غنیمت ہے ملی ہے جس قدر یہ زیست اور صحت
یہاں رہ کر وہاں کے واسطے بھی کام کچھ کر لو
بہت لمبا سفر ہے زاد کچھ تو باندھ کر دھر لو

(نظم بے ثباتی عالم)

نظم "مرثیۂ محبوب" بھی اسی ہیئت میں ہے، اس کے دو بند ملاحظہ فرمائیں:

مانا کہ خلد میں ہے تمہیں عافیت ہزار
مانا کہ زیر حکم ہیں حوران گل عذار
مانا نظر فروز تمنا ہے سبزہ زار
مانا کہ دل فریب ہے لطف گل و بہار
لازم تھا چھوڑنا مجھے تنہا تمہیں کہو
آخر وفا ہے نام اسی کا تمہیں کہو

سوز دروں نے مجھ کو جلا کے کیا ہے خاک
اڑتے ہیں شعلے دل سے تو اوروں پہ ہے تپاک
دامن کی طرح سینہ بھی اپنا ہے چاک چاک
دیکھیں تو رحم کرتا ہے کب تک خدائے پاک

فصل خزاں میں بھی مجھے سودا کا جوش ہے
اک بے خودی سی ہے نہ خرد ہے نہ ہوش ہے

ترجیع بند

"ترجیع بند" ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اشعار کی تعداد کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ ہو، ترجیع کے معنٰی لوٹانا ہیں، اس میں ہر بند کے آخر میں ایک شعر پہلے اشعار ہی کا ہم وزن ہوتا ہے، لیکن ہم قافیہ نہیں ہوتا، یہ شعر ہر بند کے بعد دہرایا جاتا ہے، جس کو "ٹیپ کا شعر" کہتے ہیں ہر بند کے اشعار قافیہ اور ردیف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، کبھی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ٹیپ کے شعر کے بجائے ٹیپ کا مصرعہ دہرایا جائے، بہت سے شعراء نے اس ہیئت میں شاعری کی ہے، آہ کے یہاں بھی ترجیع بند اشعار موجود ہیں:

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو
تھام لو قومی نشاں آگے بڑھو آگے بڑھو

جلد اعداء وطن کا منہ عدم کو موڑ دو
کوہ بھی حائل اگر ہو بیچ میں تو توڑ دو

جو دکھائے آنکھ تم کو آنکھ اس کی پھوڑ دو
موت سے اغیار کے رشتے کو اٹھ کر جوڑ دو

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

تم ہو مسلم قوم تم ہو تیغ و خنجر کے دھنی
سب تمہاری چشم کو کہتے ہیں برچھی کی انی

تم ذرا بپھرو تو شیروں پر بھی چھائے مردنی
کیا تمہارے سامنے ہیں ارمنی وجرمنی
اے میرے پیرو جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

ترکیب بند

"ترکیب بند" کی تعریف بھی وہی ہے جو ترجیع بند کی ہے ، فرق صرف اتنا ہے کہ ترکیب بند نظم میں میں دہرایا جانے والا ہم وزن شعر ایک نہیں بلکہ مختلف ہوتا ہے، آہ کے ایک مرثیہ کو اس کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے، اس کا ایک بند دیکھئے:

تجھ سے بہار گلشن ہستی تھی میری جان
آباد ایک دن یہی بستی تھی میری جان
کیا اتنے روزوں موت ترستی تھی میری جان
ایسی ہی جان کیا تیری سستی تھی میری جان
کس نے لحد سے تجھ کو ہم آغوش کردیا
کس نے سدا کے واسطے روپوش کردیا

اب کون ہے کہ جس کی محبت پہ ناز ہو
اب کون ہے جو محرم اسرار وراز ہو
اب کون ہے کہ جس سے حصول نیاز ہو
اب کون ہے جہاں میں مجھے جس پہ ناز ہو

اب کون ہے کلیجہ سے مجھ کو لگائے کون
ہو میرے سر میں درد تو آنسو بہائے کون

تضمین

"تضمین" کے معنٰی ملانا کے ہیں، شعری اصطلاح میں کسی دوسرے شاعر کے مصرعہ یا بند پر مصرعہ یا بند لگانے کو تضمین کہتے ہیں، تضمین میں شاعر کسی دوسرے شاعر کے شعر کے بعد بھی اور کسی کے شعر سے پہلے بھی اپنے اشعار لگا سکتا ہے، ہر دور کے شعراء نے اپنے سے پہلے شاعر کے مصرعہ یا شعر پر تضمین کا عمل کیا ہے۔

☆مثال کے طور پر نظیرؔ اکبر آبادی کا مشہور شعر ہے:

یہ رنگ برنگی تقریریں، یہ آڑی ترچھی تحریریں
"سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا"

☆مرزا غالبؔ نے ناسخؔ کے شعر پر تضمین کی:

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ
"آپ بے بہرہ ہیں جو معتقد میرؔ نہیں"

علامہ اقبالؔ کے یہاں بھی تضمینات بکثرت ملتی ہیں، بانگ درا" میں ایک نظم کا عنوان ہے "تضمین بر شعر انیسی شاملو" اقبالؔ نے ایک فارسی شعر پر پوری نظم کہی ہے:

"وفا آموختی ازم ابکار دیگراں کردی
ربودی گوہرے ازما نثار دیگراں کردی"

ایک نظم ہے "تضمین بر شعر صائبؔ" جس میں صائب کے ایک فارسی شعر پر اقبال نے یہ نظم کہی ہے:

"ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد
ندارد تنگنائے شہر تاب حسن صحرائی"

نظم "فردوس میں ایک مکالمہ شیخ سعدی شیرازیؒ کے ایک شعر پر بطور تضمین کہی گئی ہے:

"خرمانتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبانتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم"

☆حضرت آہؔ بھی شعراء کی اس معروف سنت کو کہاں نظر انداز کر سکتے تھے، مرزا غالبؔ کا مشہور شعر ہے:

"رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں"

آہؔ نے پوری ایک غزل اس شعر پر کہہ ڈالی، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایک ہی صورت سے کتنی شکل انساں ہو گئیں
قدرتیں اللہ کی کیا کیا نمایاں ہو گئیں

میں نے پوچھا حسرتیں پوری مری جاں ہو گئیں
قتل کر کے مسکرائے اور کہا ہاں ہو گئیں

کیا کریں گے اب عنادل سیر گلہائے چمن
گرمی آہ وفغاں سے خشک کلیاں ہو گئیں

☆غالبؔ ہی کی مشہور غزل کا ایک شعر ہے:

"نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں"

آہ کے کلام میں اس پر دو مستقل غزلیں موجود ہیں، ایک غزل کا عنوان ہے "یا میرا سر نہیں رہے یا آستاں نہیں" اس غزل کے چند اشعار:

اشکوں کا کب فراق میں سیل رواں نہیں
اس بحر میں حباب سا کب آسماں نہیں

جب وہ فروغ بزم مرا میہماں نہیں
کچھ دل میں حوصلہ نہیں روح رواں نہیں

سودائے زلف کا یہی ٹھہرا ہے اک علاج
یا میرا سر نہیں رہے یا آستاں نہیں

مقطع ہے:

مطلع پڑھوں اک اور کہ ہو حسب حال آہ
بزم سخن ہے دوست ہیں دشمن یہاں نہیں

دوسری غزل کا عنوان ہے:

"میں آشنائے درد ہوں درد آشنا مرا"

اس کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

کس دن ترا خیال ہمیں جان جاں نہیں
گذری وہ کون رات کہ آہ وفغاں نہیں

تم مہربان ہو تو کوئی نامہرباں نہیں
دشمن زمیں نہیں ہے عدو آسماں نہیں

ناصح نہ پوچھ مجھ سے مرے رنج ویاس کو
خاطر جو ہو ملول تو ممکن بیاں نہیں

آنکھیں لڑا کے ان سے ہوا سینہ پاش پاش
کھائی وہ چوٹ جس کا تھا وہم و گماں نہیں

اس کا مقطع ہے:

مر مٹ چکے کسی کی محبت میں آہ ہم
ڈھونڈھے سے بھی تو ملتا ہمارا نشاں نہیں

دیوان غالب میں سب سے طویل قطعہ جو تیس (۳۰) اشعار پر مشتمل ہے اس کا آخری شعر ہے:

تم سلامت رہو ہزار برس　　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اس کے پہلے مصرعہ پر آہ نے اپنے منظوم نامۂ محبت میں اس طرح تضمین فرمائی:

تم سلامت رہو ہزار برس　　　باکرامت رہو ہزار برس

ایک مشہور شعر ہے:

مریض عشق پر رحمت خدا کی　　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کلیات آہ میں اسی عنوان کے ساتھ ایک طویل غزل موجود ہے:

کھنچی تلوار اس کافر ادا کی
الٰہی خیر جان مبتلا کی

اڑا لائی ہے بو زلف دوتا کی
بلائیں کیوں نہ لیتے ہم صبا کی

نمود خط سے جانکاہی ہوئی کم
بڑھا کی رات اور حسرت گھٹا کی

جو لیتے ہو تو پہلو میں جگہ دو
یہ قیمت ہے دل درد آشنا کی
تڑپ کر رہ گیا اے آہ کوئی
نگاہ یار نے شاید خطا کی

موضوعی اصناف شاعری

اب موضوعی اور معنوی نقطۂ نگاہ سے بھی "کلام آہ" کا جائزہ لیں کہ آہ نے ان میں سے کن کن اصناف سخن سے تعرض کیا ہے:

حمد

"حمد" کے لغوی معنی تعریف کے ہیں، شعری اصطلاح میں حمد سے مراد وہ نظم ہے جس میں خالق کائنات کی تعریف و توصیف کی گئی ہو اور اس کی عظمت و قدرت اور ذات و صفات کا تذکرہ ہو، کبھی حمد مستقل لکھی جاتی ہے اور کبھی کسی دوسری صنف کی ابتدا میں یا سلسلۂ کلام میں بھی آتا ہے، مثلاً:

☆کلیات میر کا وہ نسخہ جس کو سنبل فراز نے مرتب کیا ہے اور مکتبہ الفتوح لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کا آغاز مستقل حمد سے ہوا ہے، جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مستجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یا انہوں کے حال و قال کا

☆نظیر اکبر آبادی نے خالص حمد مخمس کی ہیئت میں لکھی:

یارب ہے تیری ذات کو دونوں جہاں میں برتری
ہے یاد تیرے فضل کو رسم خلائق پروری

دائم ہے خاص وعام پر لطف وعطا، حفظ آوری

کیا انسیاں، کیا طائراں، کیا وحش کیا جن وپری

پالے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

☆ شیخ ابراہیم ذوقؔ کے کلیات کی پہلی غزل حمد کے مطلع سے شروع ہوتی ہے:

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا

الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

بہت سے شعراء نے حمدیہ قصائد اور حمدیہ رباعیاں بھی لکھی ہیں۔

آہؔ کے کلام میں مستقل حمد تو موجود نہیں ہے، لیکن دوسرے اصناف سخن کے ضمن میں حمدیہ اشعار ملتے ہیں، جن میں باری تعالیٰ کی وحدت و عظمت کا تذکرہ ہے، اور خود ساختہ خداؤں پر کاری ضرب لگائی گئی ہے، وحدت انسانی کے حوالے سے مصنوعی امتیازات اور جھوٹی تفریقات سے بیزاری ظاہر کی گئی ہے، اور اس کو ارشاد رحمانی کے خلاف قرار دیا گیا ہے، کیونکہ پورے بزم انسانی کا صدر اور سارے چمنستان عالم کا مالی ایک ہے، اور باغ لگانے والے مالی کو اپنے چمن کے ہر پھول سے یکساں پیار ہوتا ہے:

اسی کی ذات واحد ہے قدیم و باقی و قائم

جو تھا پہلے ازل سے اور رہے گا اک وہی قائم

ملو سب سے محبت سے یہ ہے ارشاد رحمانی

اسی حق نے مزین کی ہے ساری بزم انسانی

مجوسی و یہودی مسلم و ہندی و نصرانی

خراسانی و تاتاری و شامی و بدخشانی

لگایا ہے یہ سارا باغ عالم ایک مالی نے
تمہیں تفریق میں ڈالا ہے کس کوتہ خیالی نے

نعت

"نعت" کے لغوی معنیٰ بھی مدح و تعریف ہی کے ہیں، البتہ اصطلاح میں نعت اس نظم کو کہتے ہیں جس میں حضور ﷺ کی مدح و ثنا کی گئی ہو ، اور آپ کی عظمت شان ، اور امتیازات و خصوصیات بیان کی گئی ہوں، نعت بھی کبھی مستقل طور پر لکھی جاتی ہے اور کبھی مختلف اصناف غزل ، قصیدہ یا مثنوی کے سلسلے میں بھی شاعر نعت بیان کر سکتا ہے ، مثلاً: کلیات میرؔ میں مستقل طور پر دو نعتیں موجود ہیں جن میں کچھ چیزوں کو چھوڑ کر باقی مرکزی خیالات بہت قیمتی ہیں، قدیم شعراء میں میرؔ کی نعت معنوی طور پر سب سے زیادہ باوزن معلوم ہوتی ہے، ان کی ایک نعت کے ابتدائی اشعار دیکھیے:

ہے حرف خامہ دل زدہ حسن قبول کا
یعنی خیال سر میں ہے نعت رسول کا
رہ پیروی میں اس کی کہ گام نخست میں
ظاہر اثر ہے مقصد دل کے وصول کا
وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا
پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا

دوسری نعت کافی طویل ہے، جو ان اشعار سے شروع ہوتی ہے:

جرم کی ہے شرم گینی یارسول
اور خاطر کی حزینی یارسول

کھینچوں ہوں نقصان دینی یارسول

تیری رحمت ہے یقینی یارسول

رحمۃ للعالمینی یارسول

ہم شفیع المذنبینی یارسول

☆ نظیر اکبر آبادی نے "عشق اللہ" کے عنوان سے مستقل نعت لکھی ہے۔

☆ غالبؔ کے مطبوعہ دیوان میں نعت پاک کی صنف موجود نہیں ہے۔

☆ علامہ اقبالؔ کی "بانگ درا" میں "حضور رسالت مآب میں" کے عنوان سے ایک نعتیہ کلام موجود ہے، جو انہوں نے عالم تصورات میں سرکار دوعالم ﷺ کے حضور پیش کیا ہے، یہ کلام دراصل اسی پیشی کی مختصر داستان ہے، اس میں حضور ﷺ کی ذات گرامی اور صفات و کمالات سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

حضرت آہؔ نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں مستقل نعتیں لکھی ہیں، عربی نعت میں ۱۳ / اشعار اور فارسی میں ۲۶ / اشعار ہیں، فارسی نعت میں بھی تین اشعار عربی کے شامل ہیں ،ان دونوں نعتوں میں آہؔ نے رسول اللہ ﷺ کے کمالات و خصوصیات، اور ذات رسالت مآب ﷺ سے اپنی شیفتگی اور محبت کے بیان میں فنی مہارت اور سلیقہ مندی کا ثبوت دیا ہے اور اپنا جگر نکال کر رکھ دیا ہے، آہؔ کے عالمانہ تکلم اور عارفانہ والہانہ پن نے اس میں ایک مخصوص انفرادیت پیدا کر دی ہے، معرفت ویقین کے جس بلند مقام سے انہوں نے یہ نعتیں کہی ہیں وہ عام روایتی شعراء کے لئے ممکن نہیں، ان میں سیرت طیبہ کے بڑے اہم نکات کی نشاندہی کی گئی ہے، مثلاً:

آہؔ کی نعتوں میں نکات سیرت

☆ حضور ﷺ کے روئے انور جیسا کوئی چہرہ کائنات میں پیدا نہیں ہوا۔

☆ شمس وقمر کائنات میں روشنی کا سرچشمہ ہیں، لیکن ان کو روشنی نور محمدیؐ سے حاصل

ہوتی ہے۔

☆ عارفین کے قلب وروح کی غذا ذکر وفکر و محبت رسول ہے۔

☆ جس سینہ میں عشق رسول ﷺ کی آگ روشن ہو وہاں ظلمت باقی نہیں رہ سکتی۔

☆ جس دل میں نبی خدا ﷺ کی محبت کا پودا اگتا ہے وہاں بہار ہی بہار ہوتی ہے، خزاں کا گذر نہیں ہو سکتا۔

☆ اہل دل انوار مصطفےٰ ﷺ میں تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

☆ عشق اور جذب مصطفےٰ ﷺ کی آرزو پر عربی نعت ختم ہوتی ہے۔

☆ فارسی نعت میں کچھ دیگر علمی حقائق ولطائف بھی ملتے ہیں مثلاً:

☆ عظمتیں آپؐ کی نسبت سے سرخروئی حاصل کرتی ہیں، آپ کی رفعت شان گنبد نیلوفری کے لئے بھی قابل رشک ہے۔

☆ آپؐ کی رسالت کا شہرہ زمین سے بالائے آسمان تک ہے۔

☆ جس طرح بادل میں بارش کا خزانہ پوشیدہ ہے اسی طرح حضور ﷺ کی ذات طیبہ تمام فضائل و کمالات کی محور ہے۔

☆ حور و پری کے چہروں میں حسن کی جھلک ملتی ہے تو آپؐ کی شخصیت حلم و بردباری کی آئینہ دار ہے۔

☆ آپؐ فخر انبیا اور فخر اولیاء ہیں، آپؐ کا سکہ زمین سے ہفت فلک تک جاری ہے۔

☆ ساری روئے زمین پر خوشبوؤں کی بہار آپ کے نفوس قدسیہ کا ثمرہ ہے، کہ ساری بزم کائنات آپؐ ہی کے طفیل سجائی گئی ہے۔

☆ زمین آپ کے نقش پا سے فخر محسوس کرتی ہے،اور آسمان آپ کی قدمبوسی سے عزت حاصل کرتا ہے۔

☆کائنات عالم میں آپ علم و معرفت کے بحر بیکراں اور ظلم و جہالت کے خلاف مثبت طاقتوں کا سرچشمہ ہیں، بازار علم میں آپ سے گرانمایہ کوئی چیز نہیں، آپ نے دنیا کو جس حکمت ودانشوری سے روشناش کیا اس کے سامنے اہل منطق کے معقولات ثانی کی بحث ایک طفلانہ شوشہ ہے۔

☆آپ کی ذات عالی ہر نبی کے لئے منتج مقصود رہی۔

☆بندہ وخدا کے درمیان آپؐ ایک مضبوط رابطہ ہیں، اس رابطہ کے بغیر کوئی خدا تک نہ پہونچا ہے نہ پہونچے گا۔

☆ذات محمدی ﷺ کا مثیل کوئی پیدا نہیں ہوا۔

☆آپؐ کی پائگاہ عقل کل کی پرواز سے بھی بلند تر ہے۔

☆آپؐ کے آستانہ کی غلامی شہنشاہوں کے لئے بھی قابل فخر ہے۔

☆جس طرح نبوت آپؐ کی شخصیت پر ختم ہوگئی اسی طرح آپ کے غلاموں پر نیابت نبوت اور قیادت عالم ختم ہے۔

☆آپؐ کی مثال پھول کی سی ہے، پھول سے کبھی کسی کو گزند نہیں پہونچ سکتی، اور آپؐ کے دشمن کانٹوں کی تمثیل رکھتے ہیں، خار بھلا کبھی پھولوں کی ہمسری کرسکتے ہیں۔

☆ابر گریاں دراصل آپؐ کے آتش فراق میں تپ کر ٹپکنے والا قطرہ ہے۔

☆آپؐ کے چار یار (خلفاء راشدینؓ) آپ کی عظمت بے انتہا کے نشان ہیں، جو آپؐ کی تربیت اور نظر کرم کے طفیل تاج قیادت سے سرفراز کئے گئے، افراد سازی کی ایسی کوئی مثال تاریخ انسانی میں موجود نہیں ہے۔

☆اخیر میں آہ ناچار نے اپنی بھی درخواست لگادی ہے کہ میری بساط کیا جو حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کا حق ادا کرسکوں، میرے جہاں پناہ! میرا حال آپ سے مخفی نہیں، آپ کی

الطاف وعنایات کا امیدوار ہوں[10]۔

یہ ذات رسالت مآب ﷺ کے وہ امتیازات و کمالات ہیں جن کو پیکر شعری میں وہی شاعر ڈھال سکتا ہے جو زبان و بیان کی سلیقہ مندی کے ساتھ علم و فن میں بھی کمال رکھتا ہو، اور محبت و معرفت کی دنیا کا بھی شناور ہو، آہ نے اپنی فارسی نعت ان اشعار پر ختم کی ہے:

گوہر ذات فریدت درۃ التاج الکرم
چار یارت راز لطفت بود تاج افسری

من چہ دانم تا بگویم وصف تو اے کان جود
لیک از بہر سعادت کردم ایں مدحت گری

حال زارم نیست پنہاں از تو اے ماوائے من
پس توقع دارد آہ آز لطف جویم بنگری

نظم

نظم کے لغوی معنٰی "لڑی" کے ہیں، نظم شاعری کی وہ صنف ہے جس میں مقررہ عنوان کے تحت شاعر اپنے خیالات کو مسلسل اور مربوط انداز میں پیش کرتا ہے، جس کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے، چنانچہ غزل کے ماسوا جملہ اصناف سخن نظم ہی کہلاتے ہیں، گو کہ موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے ان کے نام الگ الگ ہوں، نظم کے لئے نہ موضوع کی پابندی ہے نہ کسی مخصوص ہیئت کی۔۔۔۔۔۔۔اسی طرح نظم کے تمام اشعار ایک ہی ردیف و قافیہ کے پابند نہیں ہوتے، یکساں بھی ہوسکتے ہیں اور مختلف بھی، اس میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہوتی۔

---

[10] ۔حضرت آہ نے یہ لطائف و نکات شاعرانہ اشارات میں بیان کئے ہیں لیکن اگر آپ ان کی تفصیل پڑھنا چاہیں تو ملاحظہ کریں سیرت طیبہ ﷺ پر حقیر مرتب کی کتاب "مقام محمود" شائع کردہ مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منورواشریف۔

کہتے ہیں کہ نظم پر سب سے پہلے نظیرؔ اکبر آبادی نے طبع آزمائی کی، ان کے علاوہ نظم گو شعراء میں آزادؔ، حالیؔ، اسماعیل میرٹھی، چکبستؔ، سرورؔ جہان آبادی، علامہ اقبالؔ، جوشؔ، جگرؔ، وجدؔ اور نجمؔ آفندی وغیرہ بہت زیادہ معروف ہوئے ہیں۔

۱۸۵۷ء کا دور اردو ادب کی تاریخ میں دور جدید کہلاتا ہے، ملک میں سیاسی انقلاب کے ساتھ ادبی انقلاب بھی آیا اور ادب میں زندگی سے تعلق رکھنے والے بہت سے موضوعات شامل ہوئے، یہ موضوعات جب نظم میں داخل ہوئے تو وہ نظم جدید کہلانے لگی، پھر آہستہ آہستہ اس کی بھی تین قسمیں ہو گئیں:

(۱) پابند نظم (۲) نظم معریٰ (۳) نظم آزاد۔

پابند نظم

"پابند نظم" سے مراد وہ نظم ہے جس میں قافیہ اور بحر دونوں کی پابندی کی گئی ہو، عہد قدیم میں پابند نظم ہی مروج تھی، بلکہ آج بھی سب سے زیادہ پابند نظم ہی کہی جاتی ہے، علامہ حالیؔ، علامہ اقبالؔ وغیرہ کی تمام نظمیں پابند نظم ہی کا سرمایہ ہیں، اقبالؔ کی نظم "جگنو" کے چند اشعار دیکھئے:

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آکے چمکا گمنام تھا وطن میں

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن کا

نظم معریٰ(Blank Verse)

معریٰ عاری سے مشتق ہے،اس کے معنیٰ ہیں خالی،یہ نظم چونکہ قافیہ سے عاری ہوتی ہے اس لئے اسے نظم معریٰ یا غیر مقفیٰ کہتے ہیں،البتہ بحر کی پابندی ضروری ہوتی ہے،اس نظم کا رواج یورپ میں رہا،یورپ سے جب یہ تحریک ہندوستان آئی تو اسماعیل میر ٹھی اور نظم طباطبائی وغیرہ اس سے زیادہ متاثر ہوئے۔

نمونہ: اے چھوٹے چھوٹے تارو کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہوئے مجھے کس طرح تحیر
کہ تم اونچے آسماں پر جو ہے کل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے کہ کسی نے جڑ دیئے ہیں
گہر اور لعل گویا

نظم آزاد(Free Verse)

"نظم آزاد" اس نظم کو کہتے ہیں جو قافیہ،بحر اور وزن کی پابندی سے آزاد ہو،اس کا کوئی مصرعہ طویل تو کوئی مختصر ہوتا ہے،البتہ شاعر بحر کی پابندی کو اس طرح ملحوظ رکھتا ہے،کہ ایک ہی بحر کے ارکان مصرعوں میں کم یا زیادہ استعمال کرتا ہے،مثلاً ایک بحر ہے:

فاعلن،فاعلن،فاعلن،فاعلن

اس بحر کا ایک رکن ہے "فاعلن "شاعر اپنی نظم کے کسی مصرعہ میں پوری بحر استعمال کرتا ہے اور کسی میں تین حصہ اور کسی میں ایک حصہ،اس سے نظم میں روانی اور آہنگ تو پیدا

ہو جاتا ہے لیکن جو ترنم پابند نظم میں ہے وہ آزاد نظم میں پیدا نہیں ہو سکتا، آزاد نظم میں شاعر ہیئت کو نہیں موضوع کو اہمیت دیتا ہے۔

ترقی پسند تحریک (۱۹۳۶ء) کے بعد معریٰ نظم کے مقابلے میں آزاد نظم کا رواج زیادہ ہوا، اس سلسلے میں کئی نام اہمیت کے حامل ہیں:-

ن-م-راشدؔ، میراجیؔ، فیضؔ، مخدومؔ، فراقؔ، احمد ندیمؔ قاسمی، اخترؔ الایمان، اور ساحرؔ لدھیانوی وغیرہ، بطور نمونہ ن-م-راشدؔ کی آزاد نظم کا ایک حصہ پیش ہے:

ایشیا کے دور افتادہ شبستانوں میں بھی
میرے خوابوں کا کوئی روماں نہیں
کاش ایک دیوار ظلم
میرے ان کے درمیاں حائل نہ ہو
یہ عمارات قدیم
یہ خیاباں، یہ چمن، یہ لالہ زار
چاندنی میں نوحہ خواں
اجنبی کے دست غارت گر سے ہے[11]۔

حضرت آہؔ کی نظمیں عہد قدیم کی روایت کے مطابق پابند نظم کے زمرہ میں آتی ہیں، آہؔ نے ایک بھی آزاد یا معریٰ نظم نہیں کہی، البتہ انہوں نے اردو کو پابند نظموں کے خوبصورت نمونے دیئے ہیں، مثلاً:

---

[11] ۔ مختصر تاریخ اردو ادب ص ۱۷۶- ۱۷۵۔

بھرا ہے یہ جو سودائے ہوس ایک ایک کے سر میں
پھنسا رکھا ہے جس نے کر کے حیراں ایک چکر میں
نہ آسائش سفر میں دے نہ دم لینے دے یہ گھر میں
قضائے ناگہانی سے نکل جائے گا دم بھر میں
گھڑی جب آنے والی آگئی سب بھول جائیں گے
دکھایا اس نے جب منہ ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے

کرو شکر اس خدا کا جس نے دی ہے تم کو یہ دولت
تغیر کے تسلسل میں یہاں کی ہے ہر اک حالت
نہیں رہنے کی یہ حالت نہیں ملنے کی یہ مہلت
غنیمت ہے ملی ہے جس قدر یہ زیست اور صحت
یہاں رہ کر وہاں کے واسطے بھی کام کچھ کر لو
بہت لمبا سفر ہے زاد کچھ تو باندھ کر دھر لو
(نظم: بے ثباتی عالم)

کون کہتا ہے جہاں میں بے سر و ساماں ہو تم
ساری دنیا ہے تمہاری خلق کے سلطاں ہو تم
اشرف المخلوقات بے شک صاحب ایماں ہو تم
یہ شرف کچھ کم نہیں کہ حامل قرآں ہو تم
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

شرم کی جا ہے جو خادم تھے وہ آقا بن گئے
اور جو قطرہ سے بھی کمتر تھے وہ دریا بن گئے
جو تھے کتے در کے سب وہ شیر صحرا بن گئے
اور تم کیا تھے مگر افسوس اب کیا بن گئے
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو
پھر دکھادو کچھ تماشا خنجر و شمشیر کا
سلسلہ کر دو الگ زنجیر سے زنجیر کا
تذکرہ تازہ کرو دنیا میں عالمگیر کا
چیر کر رکھدو کلیجہ دشمن بے پیر کا
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو
(نظم: انقلاب)

ہر چند ترک کار کی عادت نہیں مجھے
پر کیا کروں کہ صبر کی طاقت نہیں مجھے
ہوں مدعا طراز دل سوختہ کا میں
اظہار رنگ حسن طبیعت نہیں مجھے
بدلی ہوئی سی دیکھ رہا ہوں ہوا کو میں
کیا ایسے کارخانہ پہ حیرت نہیں مجھے
نظریں پھری ہوئی ہیں حریفوں کی ان دنوں
لیکن کسی سے پھر بھی عداوت نہیں مجھے

بد کیش بدزبان کو پہچانتا ہوں میں
روکوں زبان اس کی یہ قدرت نہیں مجھے

بے جرم و بے قصور میں ٹھہرا قصوروار
اس پر بھی دل ہے صاف کدورت نہیں مجھے

(منظوم استعفاء)

قصیدہ / منقبت

قصیدہ کے لغوی معنیٰ "گاڑھے مغز" کے ہیں، اصطلاح میں یہ ایسے مجموعۂ کلام کو کہتے ہیں جس میں کسی کی مدح یا ہجو کی گئی ہو، ساتھ ہی اس میں پند و نصیحت کے مضامین، زمانہ کا شکوہ، اور مختلف احوال کا بیان وغیرہ بھی شامل ہو، اس میں شاندار، پر شکوہ اور وقیع و نادر الفاظ و مضامین کا استعمال کیا جاتا ہے، تشبیہات و استعارات اور صنائع و بدائع کا خاص اہتمام ہوتا ہے، زور بیان اور بلاغت قصیدہ کے لئے لازمی عنصر ہے، مضامین میں جدت و ندرت کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے اسی لئے اسے اصناف سخن میں وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں مغز سر کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا اسے مغز سخن تصور کر کے قصیدہ کا نام دیا گیا،۔۔۔ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ قصد سے مشتق ہے اور چونکہ یہ کسی اعلیٰ مقصد اور ارادے کے تحت لکھا جاتا ہے اس لئے اس کو قصیدہ کہا جاتا ہے[12]۔

قصیدہ عربی صنف ہے جو فارسی سے ہو کر اردو میں آئی ہے، اس کا مضمون طویل اور مسلسل ہوتا ہے، مضامین کے اعتبار سے قصیدہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) مدحیہ (۲) ہجویہ (۳) وعظیہ (۴) بیانیہ۔

---

12 -اصناف سخن اور شعری ہیئتیں ص ۴۳ مؤلفہ شمیم احمد، ناشر انڈیا بک امپوریم بھوپال ۱۹۸۱ء۔

قصیدہ چار ارکان پر مشتمل ہوتا ہے:

(۱) تشبیب، دوسرے لفظوں میں تمہید، جس میں، موسم بہار، اور سرشاری و سرمستی وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کا آغاز مطلع سے ہوتا ہے، جس میں شاعر اپنی پوری فنی صلاحیت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

(۲) گریز: یعنی تمہید سے مدح یا ہجو کی جانب رجوع، تشبیب کے مقابلے میں گریز کے اشعار کی تعداد کم ہوتی ہے۔

(۳) مدح یا ہجو: یہ قصیدہ کا تیسرا رکن ہے، ہجویہ قصائد کی تعداد مدحیہ کی بنسبت کم رہی ہے، یہ مذہبی اور درباری دونوں نوعیت کے ہوتے تھے، لیکن جب سے شاہی دربار ختم ہوئے ، درباری قصیدے بھی ختم ہو گئے، اب صرف مذہبی نوعیت کے قصیدے باقی رہ گئے ہیں۔

(۴) دعا یا حسن طلب: یعنی ممدوح کے لئے دعا کرتے ہوئے انعام واکرام کی خواہش پیش کرنا، اور اگر ہجویہ قصائد ہوں تو بددعا کرنا۔

قصیدہ گوئی میں دکن میں نصرتیؔ کو اور شمالی ہند میں مرزا محمد رفیع سوداؔ اور شیخ ابراہیم ذوقؔ کو خصوصی شہرت واہمیت حاصل ہوئی۔

مرزا غالبؔ بہادر شاہ ظفرؔ کے دربار سے وابستہ تھے، اس لئے بادشاہ کی شان میں ان کے بھی کئی قصیدے اور قطعات دیوان غالبؔ میں موجود ہیں، ایک قطعہ کا پہلا شعر ہے:

اے شہنشاہ فلک منظر بے مثل و نظیر

اے جہاں دار کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

ایک قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

اے شہنشاہ آسماں اورنگ　　　اے جہاں دار آفتاب آثار

ایک قصیدہ کا عنوان ہے "مدح شاہ ظفر" اس کا پہلا شعر ہے:

ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دراصل قصیدہ گوئی کے لئے دربار سے وابستگی اور مزاج میں انکسار اور کسی قدر خوشامد پسندی بھی ضروری ہے، جن شعراء کو یہ دونوں چیزیں میسر ہوئیں وہی لوگ کامیاب قصیدہ گو ہوئے، میرؔ کو کسی شاہی دربار سے خصوصی وابستگی میسر نہ ہو سکی، اقبالؔ کے دور میں بساط شہنشاہی سمٹ چکی تھی، بس چھوٹی چھوٹی ریاستیں ٹمٹما رہی تھیں، اسی لئے ان کے یہاں قصیدہ کی صنف یا تو مفقود ہے یا بہت محدود۔۔۔

مذہبی قصائد

اس لئے اب صرف مذہبی قصائد ہی کی ایک شکل باقی رہ جاتی ہے، اس لحاظ سے اب اس میں اور منقبت میں کوئی خاص فرق نہیں رہ جاتا، منقبت بھی ائمۂ اطہار اور بزرگان دین کی شان ہی میں کہی جاتی ہے اور معنوی طور پر اس کی بھی بڑی اہمیت ہے، یہ بزرگان دین بھی مقام و منصب کے اعتبار سے اپنی جگہ کسی بادشاہ سے کم نہیں ہوتے، اس معنیٰ میں تمام وہ شعراء جنہوں نے ائمۂ اطہار، اولیاء اللہ یا مرشدان برحق کی شان میں عقیدت کے نذرانے پیش کئے ہیں بجا طور پر قصیدہ گو قرار پائیں گے۔۔۔

اس طرح میرؔ صاحب بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں، گو ان کا غرور کسی شاہ کجکلاہ کے سامنے جھکنے پر آمادہ نہ ہو لیکن صحابہؓ اور اہل بیتؓ کی عظمتوں کو وہ قلب و روح کی گہرائیوں سے سلام پیش کرتے ہیں، حضرت علیؓ کی شان میں زوردار منقبتیں لکھی ہیں ، ان کی ایک منقبت سے چند اشعار ملاحظہ کریں:

جو معتقد نہیں ہے علیؓ کے کمال کا
ہر بال اس کے تن پہ ہے موجب وبال کا

رکھنا قدم پہ اس کے قدم کب ملک سے ہو
مخلوق آدمی نہ ہوا ایسی چال کا

توڑا بتوں کو دوش نبیؐ پر قدم کو رکھ
چھوڑا نہ نام کعبہ میں کفر و ضلال کا

دوسری منقبت مخمس کی ہیئت میں ہے، پہلا بند ہے:

ہادی علیؓ، رفیق علیؓ، رہنما علیؓ یاور علیؓ، محمد علیؓ، آشنا علیؓ
مرشد علیؓ، کفیل علیؓ، پیشوا علیؓ مقصد علیؓ، مراد علیؓ، مدعا علیؓ
جو کچھ کہو سو اپنے تو ہاں مرتضیٰ علیؓ

غالبؔ کے دیوان میں بھی منقبت کے عنوان سے کئی قصیدے موجود ہیں، مثلاً ایک عنوان ہے "منقبت حیدری" اس کا پہلا شعر یہ ہے:

ساز یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بے کار
سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

حضرت آہؔ کے یہاں بھی اصطلاحی اعتبار سے درباری قصیدہ کی صنف موجود نہیں ہے، ساری زندگی مدرسہ یا خانقاہ کی بوریہ نشینی کرنے والے فقیر بے نوا کو دربار شاہی سے کیا واسطہ؟ ۔۔جس دور میں انہوں نے آنکھیں کھولیں پورا ملک انگریزی تگ و تاز کی لپیٹ میں تھا، شاہی سلطنت کی بساط لپٹ چکی تھی، اسلامی ہندوستان افسانۂ ماضی بن چکا تھا، ہندوستان کی آزادی کی تحریک چل رہی تھی، جس میں وہ اپنی شاعری اور عمل سے پوری طرح شریک تھے، لیکن اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے چل بسے۔۔۔۔۔

البتہ ان کے کلام میں مرشد روحانی کی شان میں ایک قصیدہ موجودہ ہے، جو مذہبی ہونے کی بنیاد پر منقبت بھی کہلا سکتی ہے، خاص بات یہ ہے کہ اصطلاحی قصیدہ کے جن ارکان کا

اوپر ذکر آیا ہے ان کو اس میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ برتا گیا ہے، اس میں تمہید یا تشبیب، گریز، مدح اور حسن طلب سب کچھ موجود ہے، اس قصیدہ سے چند اشعار ملاحظہ کریں:

تشبیب یا تمہید

جناب مرشد کامل امام قطب ربانی
کلید باب عرفاں کاشف اسرار قرآنی

برنگ زلف قسمت میں جو آئی ہے پریشانی
ہے سودا سر کو میرے اور وحشت کی فراوانی

مرے پاؤں کو چل کر مل گیا قدرت کی جانب سے
کہ جیسے دست زاہد کو ملی ہے سبحہ گردانی

تبسم ریز کلیاں خندہ زن گلہائے صحرا ہیں
مری وحشت سے نالاں ہیں غزالان بیابانی

تماشائی مری دیوانگی کا سارا عالم ہے
ہر اک ہندی و افغانی خراسانی و ایرانی

ملایا خاک میں آزادیوں کو ہائے رے قسمت
جنوں ہر دم لئے پھرتا ہے مجھ کو مثل زندانی

تصور کی طرح آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں خوشیاں
شکست رنگ عارض کی رہا کرتی ہے مہمانی

چھپائے سے کہیں چھپتا ہے یہ درد و الم میرا
مری صورت سے ظاہر ہے مرے دل کی پریشانی

مری حسرت مرے ارماں ہوئے پامال غربت میں
غبار ایسا اڑا چہرے کا میرے رنگ نورانی

گریز

بحق مرشد برحق زہے قسمت جو ہو جائے
زمین قبر میری مورد الطاف رحمانی

مدح

نگاہ مرشد کامل ہے وجہ انبساط دل
نہیں تو میں کہاں بندہ کہاں یہ ذکر سلطانی

حسن طلب

دکھائی موت نے صورت جمایا یاس نے نقشہ
مدد کا وقت پہونچا المدد یا شیخ ربانی
غبار راہ ہوں اے آہؔ لیکن دل یہ کہتا ہے
جناب شیخ کے صدقہ میں ہوگی سیر روحانی

آہؔ کے سہرے

آہؔ نے (حقیقی شاہ کے بجائے ایک دن کے) نوشاہ کے لئے جو سہرے قلمبند کئے ہیں، ان میں کئی سہرے اصطلاحی قصیدہ کا رنگ و آہنگ رکھتے ہیں، مثال کے طور پر ان اشعار کی بندش اور ترتیب دیکھئے:

بندھا نوشاہ کے سر سے زہے تقدیر سہرے کی
اچھوتی زلف کے ہمسر ہوئی توقیر سہرے کی

جو مالن گوندھ لائی سورۂ شمس و قمر پڑھ کر
تفوق چاند پر بھی لے گئی تنویر سہرے کی

کسی کا دل کھلا جاتا ہے جو غنچہ کی صورت میں
مسرت ہو رہی ہے آج دامن گیر سہرے کی

جو خدام ازل نے اِن کا خاکہ کھینچنا چاہا
تو بدلے کاکلوں کے کھنچ گئی تصویر سہرے کی

خوشا قسمت جو دل تھا مبتلا زلف مسلسل کا
اسی کے آج قدموں پر گری زنجیر سہرے کا

شمیم جاں فزا پھیلی معطر ہو گیا عالم
چلی دوش صبا پر جس گھڑی تاثیر سہرے کی

کہیں گل ہیں کہیں کلیاں کہیں تار شعاعی ہے
مسرت کا سراسر ہے سماں تصویر سہرے کی

خدا آباد رکھے دلہا دلہن کو ہمیشہ آہؔ
انہیں سہرا مبارک ہو ہمیں تحریر سہرے کی

مرثیہ

"مرثیہ" عربی زبان کے لفظ "رثا" سے لیا گیا ہے ، جس کے معنی ہیں بین کرنا، یعنی کسی عزیز و قریب کی موت پر اظہار رنج و غم کرنا۔۔۔۔۔اصطلاح میں مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں

جس میں کسی شخص کی موت پر اظہار رنج و غم کیا جائے۔۔۔ دراصل مرثیہ قصیدہ ہی کی ایک قسم ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قصیدہ میں زندہ شخصیات کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے اور مرثیہ میں گذرے ہوئے لوگوں کے اوصاف وکمالات بیان کئے جاتے ہیں، مرثیہ بنیادی طور پر غم انگیز ہوتا ہے، جبکہ قصیدہ طربیہ شاعری کی ایک قسم ہے اس میں زندگی کے امید افزا اشارے موجود ہوتے ہیں،۔۔۔۔۔۔

مرثیہ کا عمومی مفہوم بس اتنا ہی ہے۔۔۔۔

البتہ ایک خاص قسم جس نے مرثیہ کو شہرت ودوام، اعتبار ووقار اور غمگینی وبالیدگی عطا کی وہ ہے سیدنا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا مرثیہ، جس کو "کربلائی مرثیہ" بھی کہتے ہیں، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے اس میں خصوصی شہرت حاصل کی۔

مرثیہ کی اسی خاص قسم کو پیش نظر رکھ کر ماہرین ادب نے مرثیہ کے اجزاء طے کئے ہیں، جن کی پابندی ضروری تو نہیں لیکن اکثر مرثیہ نگار شعراء نے اس کا اہتمام کیا ہے، ادب کی کتابوں میں مرثیہ کے آٹھ (۸) اجزاء کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) چہرہ، یعنی تمہید (قصیدہ کی تشبیب کے قائم مقام) (۲) سراپا یعنی مرثیہ میں مذکور کرداروں کا تذکرہ، (۳) خیمہ سے رخصت (۴) میدان جنگ میں آمد (۵) رجز (۶) واقعات جنگ (۷) شہادت (۸) بین یا نوحہ[13]۔

یہ صرف کربلائی مرثیہ کے اجزاء ہیں، ہر مرثیہ کے نہیں، مرثیہ پر لکھی گئی دوسری کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرثیہ میں بنیادی اجزاء صرف دو ہیں:

(۱) میت کے اوصاف کا ذکر (۲) اور اظہار رنج وغم بالفاظ دیگر نوحہ۔

---

[13] ۔روح انیس، ص ۱۶، سید مسعود حسین رضوی، کتاب نگر لکھنؤ ۱۹۶۴ء۔

حضرت آہؔ کے مجموعۂ کلام میں کوئی کربلائی مرثیہ موجود نہیں ہے ،البتہ مرثیہ اپنے عمومی مفہوم میں موجود ہے،اعزاء واقرباء اور احباب واہل تعلق کی وفات پر ان کے مرثیے اور نالہائے غم وفراق موجود ہیں ،جن سے ان کی مرثیہ نگاری میں فنی مہارت اور ان کے کلام کی رنگارنگی ظاہر ہوتی ہے،چند نمونے پیش ہیں:

☆ آہؔ نے اپنی بہن کی وفات پر مسدس کی ہیئت میں ایک طویل اور انتہائی غم انگیر مرثیہ لکھاہے جس کے چند بند پیش ہیں:

زخم جگر کے واسطے مرہم تمہیں تو تھیں
دل کی کلی کو قطرۂ شبنم تمہیں تو تھیں
لے دے کے اک جہان میں ہمدم تمہیں تو تھیں
راز و نیاز عشق کی محرم تمہیں تو تھیں
تم کیا گئیں جہاں سے مری راحتیں گئیں
اب بھی میں مر چکوں تو کہوں آفتیں گئیں

تجھ سے بہار گلشن ہستی تھی میری جان
آباد ایک دن یہی بستی تھی میری جان
کیا اتنے روزوں موت ترستی تھی میری جان
ایسی ہی جان کیا تیری سستی تھی میری جان
کس نے لحد سے تجھ کو ہم آغوش کر دیا
کس نے سدا کے واسطے روپوش کر دیا

منہ زرد ہونٹ خشک جگر خوں ہے مری جان
آنکھوں میں اشک دل میں قلق لب پہ ہے فغاں
جی چاہتا ہے ساتھ رکھوں اپنے نوحہ خواں
آفت اگر ہو ایک تو اس کو کروں بیاں
دکھ درد ہوں ہزار تو پھر کیا کرے کوئی
کن کن مصیبتوں کا مداوا کرے کوئی

کس درد کی زباں سے کہا ہے یہ مرثیہ
سب پیٹتے ہیں سر کو بلا ہے یہ مرثیہ
نالاں ہوا ہے جس نے سنا ہے یہ مرثیہ
خود میں نے آہ رو کے لکھا ہے یہ مرثیہ
خون جگر سے چاہئے لکھنا یہ واقعہ
ایسا ہے سانحہ یہ ہے ایسا یہ واقعہ

☆اسی طرح اپنے امیر کبیر دوست یوسف علی مرحوم کی جواں سال اور کنوارپن کی موت پر ایک دردناک مرثیہ تحریر فرمایا:

کچھ نہ دی ہائے موت نے مہلت
کام آئی نہ دولت و ثروت
ساری دنیا نظر میں ہے تاریک
چھپ گئی جب سے چاند کی صورت

ایک یوسف علی کے مرنے سے
مٹ گئی زندگی کی سب لذت

دل پہ بجلی گراتی ہے اکثر
یاد آکر وہ صورت وسیرت

دل کے ارمان رہ گئے دل میں
بیاہ تک کی نہ آسکی نوبت

خاک میں مل گئیں تمنائیں
رہ گیا حرف گریۂ حسرت

کلیات میں ان کے علاوہ مربی جلیل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، پیر طریق حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ اور شیخ محبوب علیؒ وغیرہ کئی شخصیات پر بھی قیمتی مرثیے موجود ہیں۔

غزل

"غزل" اصناف سخن کی انتہائی قدیم ترین صنف ہے، غزل عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنیٰ ہیں کاتنا، عورتوں سے باتیں کرنا اور ان کے حسن وجمال کی تعریف کرنا وغیرہ، اصطلاح میں غزل اس صنف کو کہتے ہیں، جس میں عشقیہ مضامین کا بیان ہو، بعد میں اس کے موضوعات میں اضافہ ہوتا گیا اور اس میں فلسفہ، تصوف، اخلاقیات، اور پند ونصائح کے مضامین بھی داخل ہوگئے۔

غزل سے متعلق گوکہ بعض نقادوں کے خیالات مختلف ہیں اور اس میں مضامین کے انتشار یا تنوع اور معنوی تسلسل کے فقدان کو لے کر کچھ لوگوں نے تنقیدیں کی ہیں، مثلاً کلیم

الدین احمد (پٹنہ) اس کو "نیم وحشی صنف" کہا کرتے تھے، جبکہ اس کے بالمقابل رشید احمد صدیقی اس کو اردو شاعری کی آبرو قرار دیتے تھے، لیکن اس کے باوجود یہ اردو شاعری کی سب سے قدیم اور سب سے مقبول ترین صنف ہے، یہی وجہ ہے کہ دبستان دکن، دبستان دہلی، دبستان لکھنؤ اور دبستان عظیم آباد کے تقریباً ہر شاعر نے غزل پر توجہ دی اور اس کو اپنے اظہار خیال کا وسیلہ بنایا۔

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے، جس کے دونوں مصرعے ہم ردیف وہم قافیہ ہوتے ہیں، دوسرے شعر سے غزل کے اشعار کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ مصرعۂ اولیٰ میں قافیہ کا استعمال یا اہتمام نہیں کیا جاتا اور تمام اشعار کے مصرعۂ ثانی میں قافیہ وردیف کی پابندی ہوتی ہے۔

عام طور پر غزل میں ایک ہی مطلع ہوتا ہے، لیکن ایک سے زائد مطلع بھی ہو سکتے ہیں، مطلع اول کے بعد جو مطلع آتا ہے اسے حسن مطلع یا زیب مطلع کہا جاتا ہے، اگر کبھی غزل میں دو مطلعوں سے زیادہ مطلع آئیں تو انہیں بالترتیب مطلع ثانی اور مطلع ثالث وغیرہ کہا جاتا ہے، غزل میں اشعار کی تعداد کم سے کم پانچ (۵) اور زیادہ سے پچیس (۲۵) ہوتی ہے، غزل کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے، جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔

غزل کے تمام اشعار معنوی اعتبار سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں، کبھی شاعر ایک کے بجائے دو اشعار میں ایک خیال کو باندھتا ہے تو ایسے اشعار قطعہ بند اشعار کہلاتے ہیں، اور ان کی شناخت کے لئے شاعر کو شعر سے پہلے (ق) لکھنا لازمی ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ بات غزل کے مزاج کے خلاف ہے، حالانکہ عہد قدیم کے غزل گو شعراء نے ایسی غزلیں بھی لکھی ہیں جن میں از مطلع تا مقطع ایک ہی خیال کو پیش کیا گیا ہے، اس کو غزل مسلسل کہتے ہیں، جس کی وکالت کلیم الدین احمد وغیرہ نے کی ہے، لیکن عہد وسطیٰ اور عہد آخر کے شعراء کی غزلوں کے اشعار میں تسلسل موجود نہیں ہے، اسی لئے عام طور پر نظم کی طرح غزل کا کوئی عنوان نہیں ہوتا، جیسا کہ دیوان غالب وغیرہ میں ہے، البتہ کبھی غزلوں میں فرق اور شناخت قائم کرنے کے لئے غزل ہی کا

کوئی مصرعہ عنوان کے طور پر لکھ دیا جاتا ہے، مگر وہ کوئی مرکزی خیال نہیں ہوتا، کلیات میرؔ وغیرہ میں اسی طرح ہے اور حضرت آہؔ نے بھی یہی روش اپنائی ہے، ان کی اکثر غزلوں پر کسی نہ کسی مصرعہ کے ذریعہ عنوان بندی کی گئی ہے اور کچھ غزلوں پر حقیر راقم الحروف نے یہ رسم نبھائی ہے

غزل کے معاملے میں دکن کو اولیت حاصل ہے، حیدرآباد کے بانی محمد قلی قطب شاہؒ کو سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر مانا جاتا ہے، ان کے علاوہ ملا وجہیؔ، غواصی اور ابن نشاطی کے نام بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں، ملا وجہیؔ ملک الشعراء کہلاتے ہیں، اسی طرح عادل شاہی دور کے شعراء میں نصرتیؔ، شاہیؔ، اور حسن شوقیؔ کو خاص مقام حاصل ہے، شمالی ہندوستان میں امیر خسروؔ کو سب سے پہلا شاعر مانا جاتا ہے، امیر خسروؔ کا عہد تیرہویں صدی کا درمیانی حصہ ہے، مؤرخین کے مطابق غزل کا آغاز اسی عہد میں ہوا، اور امیر خسروؔ نے ایسی غزلیں لکھیں جن میں فارسی اور اردو کے ملے جلے الفاظ تھے، اکثر کتابوں میں ان کی طرف یہ شعر منسوب کیا گیا ہے:

ز حال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں

چوں تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہ لگائے چھتیاں

اس لحاظ سے شمال ہندوستان سے ہی غزل کا بنیادی آغاز مانا جائے گا، البتہ اردو شاعری یا غزل کا باقاعدہ آغاز شمالی ہندوستان میں ۱۷۰۰ء میں ولیؔ دکنی کی دہلی آمد سے ہوا، پھر دہلی کے اردو عہد کا آغاز ہوا، اس کے بعد دبستان لکھنؤ و عظیم آباد کا قیام عمل میں آیا۔۔۔

اس پورے عہد میں کسی دبستان کا کوئی بڑا یا چھوٹا شاعر نہیں ہے جس نے غزل میں طبع آزمائی نہ کی ہو، غزل کی سادہ، سلیس اور شیریں زبان نے سب کو اپنا اسیر بنایا، غزل ہر دور کی محبوب ترین اور مقبول ترین صنف مانی گئی ہے، دبستان دہلی اور لکھنؤ کے شعراء میں میر تقی میرؔ، غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، اور ناسخؔ وغیرہ نے غزل میں عالمگیر شہرت حاصل کی، ادب کی زبان میں میرؔ کو خدائے سخن کہا جاتا ہے، تمام شعراء نے ان کا لوہا مانا ہے، ناسخؔ، ذوقؔ اور غالبؔ جیسے بلند پرواز

شاعروں نے بھی مملکت غزل میں ان کی سلطانی کو تسلیم کیا ہے، ذوقؔ نے کہا:

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

غالبؔ اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں:

غالبؔ اپنا تو عقیدہ ہے بقول ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہیں جو معتقد میرؔ نہیں

میرؔ کی بہت سی غزلیں شاہکار ہیں، ایک نمونہ پیش ہے:

اشکوں آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

صبر تھا ایک مونس ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ
بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم
پر سخن تا بلب نہیں آتا

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

آہؔ بحیثیت غزل گو شاعر۔فکری وفنی عناصر

حضرت آہؔ کی شاعری کا بڑا اسرمایہ بھی غزل ہی ہے، غزل کے ماسوا دیگر اصناف شعری میں ان کا کلام بہت محدود ہے، غزل ہی ان کے فکر وفن کا اصل میدان ہے، انہوں نے اپنے خیالات اور فنی کوششوں سے اس صنف کو کافی مالا مال کیا ہے، ان کے مجموعۂ کلام میں غزلیات کی بڑی تعداد موجود ہے، جس میں مختلف بحور واوزان اور عروض وقوافی کے تجربات کئے گئے ہیں، مضامین کا سیل رواں ہے جو ان کے اشعار میں موجزن ہے، ان میں عشق مجازی بھی ہے اور عشق حقیقی بھی، نغمۂ وصال بھی ہے اور نالۂ فراق بھی، تمثیل حسن بھی ہے اور تصویر درد بھی، شکر رنجی بھی ہے اور شکوہ سنجی بھی، غم جاناں بھی اور غم دوراں بھی، گل وبلبل کی باتیں بھی ہیں اور تصوف واخلاقیات کے مضامین بھی وغیرہ۔

تفصیل سے بچتے ہوئے بہت اختصار کے ساتھ آہؔ کی شاعری کے کچھ فکری اور معنوی عناصر کے اشارات پیش کئے جاتے ہیں:

سادگی اور سبک روی

☆ آہؔ کی شاعری میں اکثر سادہ اور سبک الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اور وہ روز مرہ بول چال کی زبان میں بڑے بڑے علمی حقائق بیان کر جاتے ہیں، ان کی غزلیں طویل بحروں میں بھی ہیں اور چھوٹی بحروں میں بھی:

یہ کیسے مست ہیں مستی میں بھی ہشیار رہتے ہیں
بہک کر بھی نہیں کہتے کبھی کچھ راز ساقی کا

زمیں کیا آسمان کیا لامکاں تک دیکھ آئیں گے
اڑا کر لے چلے گا جب ہمیں اعجاز ساقی کا

ملے سب خاک میں ارماں مٹی اے آہ یوں محفل
نہ وہ مے ہے نہ میکش ہیں نہ سوز و ساز ساقی کا

نہ وہ مے ہے نہ مینا ہے نہ ساغر ہے نہ شیشہ ہے
رہے گا میکدہ میں آہ کس پر ناز ساقی کا

اثر اتنا تو ہے نالوں میں وہ بت چونک اٹھتا ہے
پس دیوار کرتا ہوں کبھی جو آہ و شیون میں

نکل کر کوئے جاناں سے بیاباں میں نہ تھا تنہا
ہزاروں حسرتیں ہمدم رہیں صحرا کے دامن میں

اب چھوٹی بحر کے نمونے دیکھئے:

مکتب عشق کا تقاضا تھا — وہ جدھر ہم اُدھر گئے ہوتے
ضبط نالہ سے کام ہے ورنہ — آسماں تک شرر گئے ہوتے
ایک دو جام بھی اگر پیتے — شیخ صاحب سدھر گئے ہوتے

فکری اعتدال

☆ آہ ایک عالم دین ہیں، ان کا ذہنی سانچہ خالص مذہبی ہے اور صوفیانہ رجحانات ان

کے خون کے شریانوں میں پیوست ہیں، لیکن ان کے یہاں اعتدال اور توازن ہے، وہ جام شریعت اور سندان عشق کو ایک ساتھ برتنے کے قائل ہیں، شدت اور غلو دونوں ان کے یہاں قابل ملامت ہے اسی لئے وہ ایک طرف شیخ صاحب کو ایک دو جام پینے کی نصیحت کرتے ہیں تو دوسری جانب عاشق مضطر کو ضبط نالہ کی تلقین بھی کرتے ہیں:

ضبط نالہ سے کام ہے ورنہ
آسماں تک شرر گئے ہوتے

ایک دو جام بھی اگر پیتے
شیخ صاحب سدھر گئے ہوتے

آہ فرماتے ہیں کہ عشق میں جب درجۂ فنا حاصل ہو جاتا ہے تو من وتو کا فرق مٹ جاتا ہے، پھر عاشقوں کے لئے "انا انا" کہنے کا جواز باقی نہیں رہ جاتا، اسی لئے ماضی میں علماء شریعت نے ایسے پروانوں کو تختۂ دار پر چڑھانے کا جو فتویٰ دیا تھا وہ منطقی اعتبار سے غلط نہیں تھا:

وہ ستم ہی کریں وفا نہ کریں — ہم کو لازم ہے کچھ گلہ نہ کریں
تیرے بندے انا انا نہ کریں — مفت میں دار پر چڑھا نہ کریں
مٹ گیا فرق تو و من کا جب — عشق والے انا انا نہ کریں
بندۂ عشق کی تمنا ہے — تیری جس میں نہ ہو رضا نہ کریں

☆ طالب کے دل میں جب عشق کی آگ بھڑکتی ہے تو اس کی بے قابو لپٹوں کو حد میں رکھنے کے لئے کسی مرشد کامل کی ضرورت پڑتی ہے، جس کی توجہ باطن سے انبساط قلب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، محبوب کے ساتھ لذت حضوری حاصل ہوتی ہے، اور انسان کے قلب ونگاہ میں وہ قوت بیدار ہو جاتی ہے جس سے وہ کائنات عالم کا روحانی سیر اور مشاہدہ کر سکتا ہے:

نگاہ مرشد کامل ہے وجہ انبساط دل
نہیں تو میں کہاں بندہ کہاں یہ ذکر سلطانی

غبار راہ ہوں اے آہؔ لیکن دل یہ کہتا ہے
جناب شیخ کے صدقہ میں ہو گی سیر روحانی

☆ تنگ نظر واعظ کا دل آتش عشق کی حرارت سے خالی ہوتا ہے اس لئے اس کی نگاہ وسعت آفاق سے محروم رہتی ہے، اسے نہیں معلوم کہ اس نور لامکاں کے جلوے کائنات کے ہر منظر میں پائے جاتے ہیں اور ڈھونڈھنے والے ہر جگہ اسی نور کو تلاش کرتے ہیں:

جلوہ کا تیرے خاص مکاں ہو نہیں سکتا
کعبہ میں، کلیسا میں، کہاں ہو نہیں سکتا

واعظ کو کبھی عشق بتاں ہو نہیں سکتا
پتھر پہ کوئی رنگ عیاں ہو نہیں سکتا

عشق لافانی

☆ آہؔ کی نگاہ بڑی دوررس ہے، وہ عشق کو لافانی قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک کاروبار عشق بلبل و پروانے پر موقوف نہیں ہے، عشق مرتا نہیں ہے، زندگی دیتا ہے:

گل ہوئی شمع محبت نہ کبھی گل ہو گی
عشق بلبل پہ ہے موقوف نہ پروانے پر

بظاہر عاشق مرکر مٹی میں مل جاتا ہے لیکن وہ ساغر و صراحی اور خم و پیمانہ بنکر مرنے کے بعد بھی محبوب کے شوق دید میں گردش کرتا رہتا ہے، اس کے عشق کا خمیر مٹی میں مل کر اس کو جاوداں کر دیتا ہے اور رہتی دنیا تک لوگ تربت پر اس کے عشق کا طواف کرتے ہیں:

دل کو میخانہ بنا آنکھوں کو پیمانہ بنا

پاکبازوں کو پلا کر رند مستانہ بنا

عشق میں مر کر مری مٹی ٹھکانے لگ گئی

حلقۂ تربت زیارت گاہ جانا نہ بنا

بعد مرنے کے بھی قسمت میں مری گردش رہی

خم بنا، ساغر بنا، آخر کو پیمانہ بنا

کیوں بھٹکتے پھر رہے ہو دربدر اے آہ تم

کچھ تو سوچو کیوں دل آباد ویرانہ بنا

عشق دراصل بڑے چیلنجوں کا نام ہے، مبتلائے محبت ساری دنیا سے تنہا ہو جاتا ہے، عشق کی تاریخ ہمیشہ لہو کے بوند سے لکھی جاتی ہے:

عجب وہ دن تھے، عجب لطف کا زمانہ تھا

چمن میں گل تھے گلوں میں مرا فسانہ تھا

یہی طریق محبت ہے کیا زمانے میں

ہوا ہر ایک الگ جس سے دوستانہ تھا

کتاب عشق کے جس جس ورق کو دیکھا آہ

لہو کے بوند سے لکھا ہوا فسانہ تھا

عشق حقیقی

آہ جس شراب محبت کی بات کرتے ہیں وہ ایک خاص قسم کی شراب ہے، جس کو پینے سے انسان بہکتا نہیں سنبھلتا ہے، اوراس کی ایک کش سے زمین سے آسماں اور مکاں سے لامکاں

تک کی سیر ہو جاتی ہے، مگر افسوس اب نہ وہ میکدے باقی رہے اور نہ وہ میکش، صرف رسم باقی رہ گئی ہے:

قوت برقی رگوں میں عشق نے ایسی بھری
تیرے عاشق اڑ کے پہونچے عرش پر سچ ہے کہ جھوٹ

یہ کیسے مست ہیں مستی میں بھی ہشیار رہتے ہیں
بہک کر بھی نہیں کہتے کبھی کچھ راز ساقی کا

زمیں کیا آسمان کیا لامکاں تک دیکھ آئیں گے
اڑا کر لے چلے گا جب ہمیں اعجاز ساقی کا

ملے سب خاک میں ارماں مٹی اے آہ یوں محفل
نہ وہ مے ہے نہ میکش ہیں نہ سوز و ساز ساقی کا

نہ وہ مے ہے نہ مینا ہے نہ ساغر ہے نہ شیشہ ہے
رہے گا میکدہ میں آہ کس پر ناز ساقی کا

اور ہمیشہ کوئی چیز کب رہی ہے جو آج رہے گی، یہ دنیا فانی ہے، یہاں ہر وجود خطرات کے اندیشے سے گھرا ہوا ہے، اس لئے میکدہ کا باغ و بہار بھی مٹ جانے والی چیز ہے، ہر دور میں ہر میکدہ کا آخری انجام یہی ہوا ہے، رہے نام بس اللہ کا۔

فنا کا جام پی کر ایک دن سب ہونگے متوالے
رہے گا میکدہ میں تا بکے اعجاز ساقی کا

شکوۂ محبوب

☆غزل گو شعراء کے یہاں محبوب کے شکووں کی جو روایت رہی ہے وہ آہ کے یہاں بھی قائم ہے، ان کو بھی اپنے محبوب سے بے التفاتی، وعدہ شکنی، ٹال مٹول، اور رقیبوں کی طرف ناجائز میلان وغیرہ کی بہت سی شکایات ہیں ۔۔۔۔۔ جس طرح شمع پر پروانے ٹوٹتے ہیں، اسی طرح حسن و کمال پر یہ شعراء نچھاور ہوتے ہیں، اور حسن کے ہرجائی پن کا علم رکھنے کے باوجود اس سے اپنے لئے وفا کی امید رکھتے ہیں، اور خواہ وہ کتنا ہی ذلیل کرے گرد راہ بن کر بھی اس کی گلی میں رہنے کی آرزو رکھتے ہیں، یہاں تک کہ موت کے بعد بھی انہیں اپنے ہرجائی محبوب کی ایک نظر التفات کا انتظار رہتا ہے، اور غزل کی دنیا میں اس سے مردانہ غیرت و وقار پر بھی کوئی حرف نہیں آتا:

یہاں تک اسے مجھ سے ہے اجتناب
کہ تربت سے دامن بچا کر چلا

کہہ رہی ہے یہ اداسی رنگ کی　　　دشمنوں میں رات وہ بیٹھک گیا

ملادے خاک میں مجھ کو مگر یہ یاد رہے
رہوں گا تیری گلی میں غبار کی صورت

میرے پہلو سے گئے دشمن کے گھر سچ ہے کہ جھوٹ
غیر کی خاطر رہی مد نظر سچ ہے کہ جھوٹ

آپ کی محفل کی رونق ایک میری ذات تھی
بزم میں اغیار کا کب تھا گذر سچ ہے کہ جھوٹ

کبھی معشوق کے رویہ سے انسان اتنا بد دل اور مایوس ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا سے خود کو الگ تھلگ محسوس کرنے لگتا ہے:

تمہارے نام لیوا اس طرح کوچہ میں بیٹھے ہیں
لئے تصویر دل میں سر میں سودا آنکھ چلمن پر
یہ کیسی بے کسی ہے روتے روتے کھل گئی آخر
پتنگا تک نہیں آیا ہماری شمع مدفن پر

ہزار حیف کہ اس نے نہ مدعا سمجھا
مرا کلام ہے دشوار چیستاں کی طرح
امید وصل نے ثابت قدم رکھا مجھ کو
جمے ہیں در پہ ترے سنگ آستاں کی طرح
فراق دست حنائی میں آہ سینے سے
ٹپک رہے ہیں لہو چشم خونچکاں کی طرح

عاشق اس کے لئے کبھی رب کائنات کے حضور پیشی کی دھمکی بھی دیتا ہے، جس پر دو گواہ بھی موجود ہیں، بوئے لہو اور خون آلود مٹی، مگر ظالم کو پھر بھی کوئی خوف نہیں:

المختصر یہ حال ہے خانہ خراب کا
دل تک ہوا ہے سوز دروں سے کباب سرخ

انکار جور حشر میں ظالم کرے گا کیا
شاہد ہیں میرے خون کے دوبوتراب سرخ

عشق کا سود وزیاں

☆عشق و محبت کی آگ کتنی تباہ کن ہوتی ہے ،اور اس کے نتیجے میں درد و غم اور رنج والم کی کیسی خونچکاں داستان تیار ہوتی ہے، آہؔ کے کلام میں اس کی بھرپور عکاسی ملتی ہے، عشق میں انسان کسی کام کا نہیں رہتا، مرزاغالبؔ نے کہا تھا:

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا　　　ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

آہؔ بھی یہی فرماتے ہیں:

کتاب عشق کے جس جس ورق کو دیکھا آہؔ
لہو کے بوند سے لکھا ہوا فسانہ تھا

ہوائے وصل میں اے آہؔ دل بھی کھو بیٹھے
متاع شوق کے ہر سود میں زیاں دیکھا

اے جنوں تیری بدولت تو ہوئی سیر نصیب
دائمی رنج و الم دیکھا زمانہ دیکھا

عشق میں انسان سب کچھ محبوب کی ذات پر قربان کر دیتا ہے، غم ہو خوشی ہو سب کچھ محبوب کے حوالے سے آتا ہے:

کہتا ہے درد عشق کہ سر ہے برائے دوست
دل ہے برائے دوست جگر ہے برائے دوست

المختصر یہ حال ہے خانہ خراب کا
غم ہے الم ہے آہِ سحر ہے برائے دوست

دیتے نہیں ہیں جان کسی پر بھی آہ ہم
رکھتے ہیں ہم عزیز مگر ہے برائے دوست

المختصر یہ حال ہے خانہ خراب کا
دل تک ہوا ہے سوز دروں سے کباب سرخ

یہ آتش عشق کبھی ایسی عالمگیر ہوتی ہے کہ اس کی لپٹیں زمین سے آسمان تک پہونچ جاتی ہیں اور اس سیل رواں میں پہاڑ بھی تنکے کی طرح بہہ جاتے ہیں، لیکن معشوق کی گلی میں اس کا ایک دھارا بھی نہیں پہونچتا اور نہ اس کی فضا میں اس سے کوئی ارتعاش پیدا ہوتا ہے:

دھواں دل سے اٹھا چنگاریاں اڑتی ہیں عالم میں
زمیں کیا آسماں پر بھی شرارے ہی شرارے ہیں

لگائی عشق نے وہ آگ جس سے جل گیا عالم
کہیں ممکن ہے یہ سوزش بھلا کوئی شرر رکھے

اے فلک تجھ کو جلادیتے ہم
کیا کہیں دل کے شرارے نہ گئے

اشک سے بہہ گیا عالم سارا
تیرے کوچے میں یہ دھارے نہ گئے

یہ ایک لاعلاج بیماری ہے، دنیا کے حکیموں کے پاس اس کی کوئی دوا نہیں ہے:

وہ درد ہے پہلو میں وہ سوزش ہے جگر میں
دنیا میں دوا جس کی اطبا نہیں رکھتے

جس دل میں فقط درد ہوا ے آہ کسی کا
اس دل کی دوا حضرت عیسیٰؑ نہیں رکھتے

اس کا علاج دو وحدتوں کی یکجائی کے ماسوا کچھ نہیں ہے، بالفاظ دیگر ایسی فنا جو بقا کا نقطۂ آغاز ثابت ہو:

میں ہوں بیمار چشم نرگس کا   دوست میرے مری دوا نہ کریں

سودائے زلف کا یہی ٹھہرا ہے اک علاج
یا میرا سر نہیں رہے یا آستاں نہیں

مگر آہ غالب کی طرح اس کو ناکامی نہیں بلکہ کامیابی کا پیش خیمہ اور خسارہ کا نہیں بلکہ نفع کا سودا قرار دیتے ہیں، اس سے پیدا ہونے والے ضعف وناتوانی کو وہ عاشق کی محویت اور فکر ونظر کا ارتکاز کہتے ہیں، دراصل درد جب حد سے سوا ہو جاتا ہے تو اس سے شادمانی پیدا ہونے لگتی ہے:

کیسا ضرر ہمیں تو ہوا نفع عشق میں
دل دے کے لے لیا ہے ہزاروں خوشی سے ہم

ہماری ناتوانی کیا مبارک ناتوانی ہے
نگاہیں ہٹ نہیں سکتیں جمی ہیں روئے روشن پر

خوگر درد کو بے درد نہیں آتا چین
اک سکوں ہوتا ہے جب درد جگر ہوتا ہے

درد کی لذت کا یہ کرشمہ ہے
ہزار رنج میں بھی دل کو شادماں دیکھا

☆مصائب کا تسلسل آہ کے نزدیک دلیل کمال ہے، بڑے لوگ ہی آفات کا سامنا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں:

یہ بھی ہے کمالوں کی مرے پختہ دلیل — افلاک کے تیروں کا نشانہ ہوں میں

☆تصور جاناں میں حواس باختگی ان کے فلسفہ میں باغ و بہار اور لالہ زار ہونے کی علامت ہے اور محبوب اگر قابل تقدیس ہو تو پھر سیپارۂ دل سیپارۂ قرآن بن جاتا ہے، جس دل میں تصویر جاناں نہیں وہ ایک خالی مکان اور ویران چمن ہے جہاں خزاں کا بسیرا ہے۔

تصویر کھینچ لی ہے رخ دل پسند کی
سیپارۂ دل آج سے قرآن ہو گیا

اچھی سے اچھی صورتیں اب دل میں رہتی ہیں
خالی یہ گھر پڑا تھا، پرستان ہو گیا

☆محبوب کی حضوری کے دباؤ میں کبھی دل بیٹھنے لگتا ہے تو اس کو یہ ادب سے تعبیر کرتے ہیں:

رہا چین سے دل ترے ہاتھ میں یہ وحشی بہت باادب ہو گیا

☆محبت کی راہوں میں جان دے دینا بھی زندگی ہے اور مٹ جانا بھی کامیابی ہے:

کسی پر جان دے کے زیست پائی جو صورت تھی فنا کی ہے بقا کی

☆جام محبت کسی جام جمشید سے کم نہیں ہے، یہ وہ آئینہ ہے جس میں چین و عرب سے لیکر ساری کائنات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ انسان کو وہ محبت حقیقی حاصل ہو جائے:

اک پیالے میں کھلی کل کائنات جام جم سے بڑھ کے مے کا جام ہے

ازل سے ایک صورت منتخب معلوم ہوتی ہے
کہ جس کی دیر و کعبہ میں طلب معلوم ہوتی ہے

کوئی آئینہ ہے یا جام جم یا شیشۂ دل ہے
کہ اس میں صورت چین و عرب معلوم ہوتی ہے

محبت بشرط اہلیت قابل ملامت نہیں

☆اسی لئے آہ خالص مذہبی شخصیت اور ایک معتبر عالم دین ہونے کے باوجود جرم محبت کو ناقابل ملامت قرار دیتے ہیں، بشرطیکہ معشوق اس لائق ہو اور عاشق بھی اہلیت کا حامل ہو۔

حسینوں سے محبت فرض و واجب ہم نہیں کہتے
جوانی میں مگر ہاں مستحب معلوم ہوتی ہے

یہ صرف عاشق کی مجبوری نہیں بلکہ حسن کی توقیر یہی ہے، کیونکہ شمع اسی وقت شمع بنتی ہے جب اس کے گرد پروانے بھی موجود ہوں:

مانا کہ عشق میں مری تشہیر ہوگئی　　　لیکن اسی سے حسن کی توقیر ہوگئی

عاشقی کی سزا تختۂ دار نہیں ہے، بلکہ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے، محبت کرنا جرم نہیں ہے، جرم یہ ہے کہ محبت کے باوجود زندہ رہے، محبت نے اس کو مٹایا کیوں نہیں، گویا تختۂ دار پر جھوم جانے والے دیوانوں کا جرم محبت کرنا نہیں بلکہ محبت میں ناقص رہ جانا تھا:

عاشق کو جرم عشق میں کیوں قتل کردیا
حد سے سوا حضور یہ تعزیر ہوگئی

ہوتا کمال عشق تو مٹ جاتے سامنے
جیتے رہے فراق میں تقصیر ہوگئی

اس طرح آہ ؔنے غزل کو گوناگوں خیالات افکار اور دلچسپ لطائف و نکات سے مالامال کیا ہے، اور شاعری کو نئی عظمتوں سے روشناش کیا ہے۔

کلام آہ ؔمیں علمی واخلاقی مضامین

یہاں بات تشنہ رہ جائے گی اگر آہ ؔکی شاعری کے اس حصہ کا ذکر نہ کیا جائے جس میں تصوف، اخلاقیات، فناوبقا، فلسفۂ موت وحیات، وغیرہ سے متعلق مسائل ومباحث کی ترجمانی کی گئی ہے:

شریعت وطریقت کا امتزاج

☆ آہ ؔفطری طور پر ایک صوفی شاعر اور فلسفی عالم ہیں، ان کے یہاں زبان وادب کی چاشنی ہے مگر بے دینی نہیں، علم الٰہی کی روشنی ہے مگر خشک مزاجی نہیں، شریعت کی پابندی ہے مگر طریقت سے آگاہی بھی ہے۔

آہ ؔان علماء ظاہر سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جن کے باطن میں محبت ومعرفت کی حرارت نہیں ہے، جس دل میں محبت کی چنگاری نہیں وہ پتھر ہے، اسے ذوق عبادت بھی میسر ہونا مشکل ہے، اہل طریقت کے نزدیک سودائے محبت سے بہتر کوئی خضر طریق نہیں، دنیا میں ہر چیز چشم ظاہر سے ہی نظر نہیں آجاتی، بہت سی چیزوں کے لئے ادراک باطن کی بھی ضرورت پڑتی ہے ،وہ بینائی کس کام کی جو جلوۂ یار بھی نہ دیکھ سکے؟، اور وہ آنکھیں کتنی مردہ ہیں جن میں درد فرقت کا سوتا خشک ہوچکا ہو؟:

واعظ کو کبھی عشق بتاں ہو نہیں سکتا　　　پتھر پہ کوئی رنگ عیاں ہو نہیں سکتا

چشم ظاہر نے ہمیں دونوں جہاں سے کھودیا
خط وخال نقش باطل پر مٹے جاتے ہیں آج

جلوۂ یار نہ دیکھے تو وہ بینائی کیا
درد فرقت سے نہ روئیں تو ہیں پتھر آنکھیں

جنون عشق کے صدقے مکاں سے لامکاں لایا

جو سودائے محبت تھا وہی خضر طریقت ہے

محبت اصل ایماں ہے نہ سمجھا ہم کو اے ناصح

ہم ارباب طریقت ہیں تو مامور شریعت ہے

پہلوئے عاشق میں جب وہ بت نہیں تو ناصحا

کیا کریں گے لے کے حوریں آسمانی آپ کی

اٹھادے پردۂ پندار پی لے جام وحدت کا

ذرا آ دیکھ کیا کیا اس میں ہیں لعل و گہر رکھے

بغیر شراب محبت کے دل کا دروازہ نہیں کھلتا

مگر یہ مجازی محبت کی شراب نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ حقیقی شراب محبت ہے جس سے رب کائنات کی معرفت حاصل ہوتی ہے، آفاق وانفس کا مشاہدہ اور کائنات کی روحانی سیر حاصل ہوتی ہے، معنوی اور روحانی فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں، قلب وضمیر پر اسرار و معانی کا نزول ہوتا ہے:

محرم راز و نیاز خلوت توحید ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ کاشف علم معانی ہم ہی کہلاتے ہیں آج

فیض روح القدس سے اے آہ میں ہوں مستفیض

میری نظمیں کاشف اسرار قرآں ہو گئیں

کھل گئے اسرار قدرت کے ہمارے سامنے

صورتیں نظروں میں ساری ماہ کنعاں ہو گئیں

درد محبت کی یہی وہ وراثت ہے جو آہ کو اپنے پرُکھوں سے ملی ہے، اور ہر مرشد و رہنما نے یہ سوغات اپنے ماننے والوں میں تقسیم کی:

اک ٹیس ہوا کرتی ہے راتوں کو جگر میں

اک یاد چلی آتی ہے سوتے کو جگانے

فرمان دیا عشق کا ہر فرد نے ہم کو

استاد نے مرشد نے پیمبر نے خدا نے

فنا اور بقا

یہ وہ منزل ہے جہاں قدم رکھتے ہی انسان اپنی ہستی فراموش کر جاتا ہے:

مکتب عشق میں جس دن سے قدم رکھا آہؔ

اپنی ہستی بھی فراموش ہوئی جاتی ہے

محبت نے مٹایا آہؔ ایسا پتہ میرا نہ تربت کا نشاں ہے

خاک ہونے کا محبت سے ملا پروانہ

تیرا دیوانہ بس اب خاک بسر ہوتا ہے

پھر ایک بار مٹنے کے بعد دوبارہ فنا نہیں ہے، انسان زندۂ جاوید ہو جاتا ہے، یہ وہ نور ہے

جسے نہ کوئی آگ جلا سکتی ہے اور نہ کوئی طاقت بجھا سکتی ہے:

مر مٹوں کو کیا مٹائے گا فلک　　　　حشر تک ان کی کہانی جائے گی

جل چکا سوز محبت سے سراپا آہ جب
پھر بھلا اس نور کو کیوں کر ہراس نار ہو

فنا یہ ہے کہ دیدار محبوب کے سوا کوئی آرزو باقی نہ ہو اور اس کی مرضی کے سامنے اپنی کوئی مرضی نہ ہو، اسی کو اصطلاح میں راضی بر رضا اور شاکر بقضا کہتے ہیں:

تمنا حور کی ہم کو نہ کچھ ارمان جنت ہے
جہاں دیدار ہو تیرا وہیں عاشق کو راحت ہے

بندۂ عشق کی تمنا ہے
تیری جس میں نہ ہو رضا نہ کریں

تم مہربان ہو تو کوئی نامہرباں نہیں
دشمن زمیں نہیں ہے عدو آسماں نہیں

ضبط تپ فراق ہمارا نہ پوچھئے
دل صاف جل گیا مگر اٹھا دھواں نہیں

بندۂ تسلیم کی اس کے سوا حسرت نہیں　　　　سر جھکا ہو پائے قاتل پر کھنچی تلوار ہو

مکتب عشق کا تقاضا تھا وہ جدھر ہم اُدھر گئے ہوتے

منظور اگر قتل ہے کیوں دیر ہے صاحب
سر دینے میں ہم عذر ذرا سا نہ کریں گے

ربط و حضوری

اس فنا اور خود فراموشی کے بعد جو ربط و حضوری حاصل ہوتی ہے وہ اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ نگاہ صرف ایک وجود پر مرکوز ہو جاتی ہے، اور اس ایک کے علاوہ کوئی دوسرا وجود نظر نہیں آتا ، ہر تصویر میں اسے جلوۂ جاناں کی جھلک ملتی ہے، اور سالک بھٹک کر بھی منزل مقصود تک ہی پہونچتا ہے۔

وہ زلف جو ہے یاد ہمیں شام ازل کی
ہم سر میں کسی غیر کا سودا نہیں رکھتے

جب سے دل پر شوق ہے پامال تصور
آنکھوں میں بھی ہم غیر کا جلوہ نہیں رکھتے

سرشار کیا جام محبت نے کسی کے
اب ہم طلب ساغر و مینا نہیں رکھتے

غیر کی یاد جو کرتا ہوں کبھی بھولے سے
جلوۂ یار مرے پیش نظر ہوتا ہے

پائے تصور میں جب ایک حلقۂ زلف موجود ہو تو خیال غیر کی کیا گنجائش ہے:

پڑے ہیں حلقہائے زلف جو پائے تصور میں
خیال اغیار کا مستلزم دور و تسلسل ہے

اغیار کا عشق آہ ہمیں ہو نہیں سکتا
ہم دل کو گذر گاہ بنایا نہ کریں گے

محبت و فنا کے اس ارتکاز میں بظاہر پابندی محسوس ہوتی ہے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پابندی کے بعد انسان تمام غیر حقیقی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے:

اسلام کے پابند ہیں آزاد جہاں میں
بت خانہ نہیں رکھتے کلیسا نہیں رکھتے

یہی ارتکاز توحید کا خلاصہ ہے، یہی وحدۃ الوجود ہے اور یہی صوفیا کے یہاں خلوت در انجمن بھی کہلاتی ہے:

قید تنہائی ہمارے حق میں اچھی ہو گئی
خلوت توحید میں سب سے جدا ہم ہو گئے

مزہ اے آہ جب سے خلوت توحید کا پایا
بھرے مجمع میں رہتے ہیں مگر سب سے کنارے ہیں

مرنے والے بھی خلوت توحید ہی کی جستجو میں کنج مرقد میں جا کر لیٹ جاتے ہیں:

مزے خلوت نشینی کے جو پائے مرنے والوں نے
اکیلے جا بسے سب چھوڑ کر وہ کنج مدفن میں

خدا تک پہونچنے کا اس سے بہتر کوئی راستہ ہے ، ہر پہونچنے والے نے خدا کو اسی تنہائی سے پایا ہے ،لوگ نہ معلوم رب کی تلاش میں کہاں کہاں سر گرداں رہتے ہیں ، انسان تو انسان آفتاب و ماہتاب بھی اسی جستجو میں محو سفر ہیں:

گردش میں آفتاب بھی ہے ماہتاب بھی
منزل کا تیری ملتا کسی کو نشاں نہیں

کعبے میں تم ملے نہ کلیسا میں تم ملے
روز الست سے تمہیں ڈھونڈھا کہاں نہیں

جلوہ کا تیرے خاص مکاں ہو نہیں سکتا
کعبہ میں ، کلیسا میں ، کہاں ہو نہیں سکتا

خدا باہر نہیں انسان کے اندر ہے ، اسے اکیلے میں اپنے وجود میں تلاش کرنا چاہئے ، اس کے لئے نہ طور کی ضرورت ہے اور نہ مسجد و کلیسا کی:

مجھ کو تصویر خیالی سے حضوری ہے مدام
طور پر جلوۂ جانانہ رہے یا نہ رہے

ہم تو بچپن سے ہم آغوش بتاں رہتے ہیں
فکر کیا دہر میں بت خانہ رہے یا نہ رہے

خود شناشی سے خدا شناشی بھی حاصل ہوتی ہے ، سب کو چھوڑنے کے بعد رب ملتا ہے ، جس طرح سیاہی پس کر آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے ، اسی طرح بندہ مٹ کر خدا تک پہونچتا ہے:

خاک ہو کر ہم سیہ کاروں کا ہوتا ہے عروج
سرمہ سا پس کر نگاہوں تک رسا ہم ہو گئے

سیہ کار ہوتا ہے پس کر عزیز　　　　رہا آنکھ میں سرمہ جب ہو گیا

اس کے بعد پروردگار سے ایسا مضبوط رابطہ ہو جاتا ہے کہ درمیانی واسطوں کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے، اور بندہ خدا سے خود ہم کلام ہونے لگتا ہے:

رابطہ کامل ہے تو قاصد کی نہیں حاجت آہؔ
میری ہر سانس مقرر ہے خبر لانے پر

جذب کامل ہے تو رہتی ہے حضوری ہر دم
ربط والوں کے وہ خود پیش نظر ہوتا ہے

قیادت کے لئے نسبت ضروری ہے

ایسے ہی لوگ اصحاب نسبت کہلاتے ہیں، اور انہی کو انسانیت کی قیادت و پیشوائی زیب دیتی ہے:

جب شراب بے خودی ہم سیر ہو کر پی چکے
سالک راہ ہدیٰ کے پیشوا ہم ہو گئے
تھے وجود رابطی سے بھی ضعیف اے آہؔ ہم[14]
حامل بار امانت کیوں بھلا ہم ہو گئے

ورنہ محض دعویٰ عشق سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کی پشت پر ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو:

---

[14]-وجود رابطی کی تشریح کلیات آہ میں وہاں کی گئی ہے جہاں یہ غزل موجود ہے۔

رقیبوں کو تمہارے عشق کا دعویٰ تو ہے لیکن
کہاں ہے وہ جو آہؔ نا رسا کا سا جگر رکھے

انوار پاک کا نظر آنا محال ہے
آنکھوں پہ میکشوں کی پڑے ہیں حجاب سرخ

دبستان محبت کی سند رکھتا ہے دل میرا
یوں ہی کیا ہجر میں فریاد ادب آموز ہوتی ہے

آہؔ شرابًا طہورا کے نشہ میں ایسے بے خود اور عشق و محبت کی آتش سوزاں میں جل بھن کر اس طرح راکھ ہو چکے تھے کہ دنیا کی تمام دلچسپیاں ان کے سامنے بازیچۂ اطفال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔

حسن پر اتنا غرور اچھا نہیں چار دن میں یہ جوانی جائے گی
آہؔ فکر آخرت اب چاہیے رائگاں ورنہ جوانی جائے گی

امارت سے مجھ کو سروکار ہے کیا طبیعت ہی غربت کی پالی ہوئی ہے

میں آشنائے درد ہوں درد آشنا مرا ناصح یہ راز بستہ کسی پر عیاں نہیں
مر مٹ چکے کسی کی محبت میں آہؔ ہم ڈھونڈھے سے بھی تو ملتا ہمارا نشاں نہیں

آرزو ، حسرت ، تمنا، لذت سوز و گداز
سب ہمارے ساتھ زیر خاک پنہاں ہو گئیں

حیات و موت کا ہے جب ازل سے سلسلہ جاری
مرا ہے آج گر دشمن تو کل ہے دوست کی باری
یہاں آنے کی شادی اور چل دینے کا ماتم کیا
جو ہر انساں کو پیش آنی ہو اس تکلیف کا غم کیا

زندگی حسرتوں اور ناکامیوں کا نام ہے، رنج و غم آتے ہیں، امیدیں ٹوٹتی ہیں اور پوری ہوتی ہیں، مگر انہی حسرتوں کے شجر سے کامیابیاں تراشی جاسکتی ہیں:

غریق لجۂ آفت ہے عمر کی کشتی ہمیشہ باد مخالف میں بادباں دیکھا

جیتے جی حسرت نہ نکلی کچھ دل ناشاد کی
ہو گیا واصل بحق تو ان کا کاشانہ بنا

جگ بیتی اور آپ بیتی

آہ کی شاعری میں جگ بیتی بھی ہے اور ان کی آپ بیتی بھی، اس آئینہ خانے میں ان کی زندگی کے سوز و ساز اور درد و داغ ابھر کر سامنے آتے ہیں، ان کا منظوم استعفانامہ سماجی زندگی میں ان کے ذاتی کرب کا آئینہ دار ہے:

نظریں پھری ہوئی ہیں حریفوں کی ان دنوں
لیکن کسی سے پھر بھی عداوت نہیں مجھے

مد نظر تھا درس خدا ہی علیم ہے
مقصود اس سے غیر کی ذلت نہیں مجھے

کرتا کمی سبق میں کسی کے خیال سے
بے شک یہ انکسار و مروت نہیں مجھے

نکل کر کوئے جاناں سے بیاباں میں نہ تھا تنہا
ہزاروں حسرتیں ہمدم رہیں صحرا کے دامن میں

جو غربت میں کبھی رویا تو ہنس کر بے کسی بولی
حقیقت میں وطن وہ ہے جہاں احباب رہتے ہیں

ذکر رہ جائے گا اس جور و ستم کا تیرے
آہ ناکام کا افسانہ رہے یا نہ رہے

لطائف حکمت

آہ کی شاعری میں حسن و عشق، گل و بلبل اور درد و غم کے ساتھ حکمت و فلسفہ کے دقائق اور لطیف نکات کا بھی خوبصورت امتزاج ملتا ہے، گو کہ اس کی مقدار کم ہے، لیکن جو بھی ہے بہت اہم ہے، اس کی بھی کچھ مثالیں پیش ہیں:

مقصد مرگ

☆ آہ نے فلسفۂ موت پر ایک خوبصورت نکتہ پیش کیا ہے کہ موت ان کو اس لئے عزیز ہے کہ مرنے کے بعد کم از کم زیارت جاناں تو ہو گی، اس لئے کہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن کوئی روک ٹوک نہیں ہو گی:

مرتے ہیں اس امید میں دیکھیں گے تمہیں ہم
سنتے ہیں کوئی روک قیامت میں نہیں ہے

حیات بعد الموت

☆ انسان کا جسم مرنے کے بعد مٹی میں مل جاتا ہے، مگر اس کی روح جاوداں ہوتی ہے ،اللہ پاک اپنی خاص قدرت سے تمام اجزاء انسانی کو نئی ترکیب دے کر حیات بخشیں گے:

مٹی میں ملا کے جو بلایا سر محشر
لاشہ ترے بیمار کا تربت میں نہیں ہے

حرمت شراب

☆ حرمت شراب کی نازک اور لطیف توجیہ دیکھئے:

مری چھوڑی ہوئی بنت عنب تم کو ملی رندو
بڑی پیر مغاں نکلی یہی تو اس کی حرمت ہے

موت کے بعد بھی گردش

☆ مر کر انسان مٹی میں مل جاتا ہے، پھر اسی مٹی سے ساغر وپیمانہ بنتے ہیں اس طرح عاشق مرنے کے بعد بھی روئے زمین پر گردش کرتا ہے، اور خانۂ معشوق کا طواف کرتا رہتا ہے:

بعد مرنے کے بھی قسمت میں مری گردش رہی

خم بنا، ساغر بنا ،آخر کو پیمانہ بنا

مزار اندر مزار

☆جس شخص کی موت عشق میں ہوتی ہے،مرنے کے بعد بھی اس کا عشق زندہ رہتا ہے،اس کے نہاں خانۂ دل میں اس کے معشوق کی تصویر موجود ہوتی ہے،اس طرح مرنے والے عاشق کے مزار کے اندر بھی ایک مزار پوشیدہ ہوتا ہے:

مجھے جو دفن کیا رکھ کے دل کو سینے میں

بنی مزار میں اک اور مزار کی صورت

حق وفا

☆عاشق اپنی تمام حسرتوں اور آرزوؤں کے ساتھ مٹی میں دفن ہو جاتا ہے، لیکن کبھی معشوق کا اس مقام سے گذر ہوتا ہے تو غبار راہ کی صورت میں وہ اس کے پاؤں سے لپٹ جاتا ہے، اور زندگی کی مراد ناتمام مرنے کے بعد پوری ہو جاتی ہے:

خوشا نصیب کہ بعد فنا ہوا پابوس

ترے قدم سے ملا میں غبار کی صورت

قلب عاشق

☆کسی شاعر نے اپنے معشوق کو برسات کا مزہ لینے کے لئے اپنی آنکھوں میں آبیٹھنے کی دعوت دی تھی کہ یہاں سفیدی، سیاہی اور شفق اور ابر باراں سب کچھ موجود ہے، آہ نے اپنے دل کو لالہ زار قرار دیا ہے، کہ تصویر بتاں اور خون حسرت نے یہاں لالہ زار کا منظر پیدا کر دیا ہے، اس لئے شوق سیر چمن کی تسکین کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میرے دل سے بہتر

کوئی لالہ زار نہیں:

ہوائے سیر چمن ہے تو دل میں آ بیٹھو
بنا ہوا ہے یہ اک لالہ زار کی صورت

شمع مزار

☆مزار پر جلتی ہوئی شمع کو آہ سوز الفت کی نشانی قرار دیتے ہیں اور اگر باد صرصر کے جھونکوں میں کبھی یہ لو دھیمی پڑنے لگتی ہے تو اس نشانی کے مٹنے کا انہیں غم ہوتا ہے:

فنا کے بعد بھی باقی نشان سوز الفت ہے
حرارت سے دل عاشق کی روشن شمع تربت ہے

سوز الفت کی نشانی تھی فقط شمع مزار
دامن صرصر اسے بھی گل کئے جاتے ہیں آج

مٹ گیا سوز محبت کا اثر تربت سے
ورنہ افسوس نہ تھا شمع کے بجھ جانے پر

تربت کے پھول

☆تربت پر پڑے پھول تر و تازہ ہوں اور شمع جل رہی ہو تو یہ مرنے والے کی زندہ دلی کی علامت ہوتی ہے اور اگر پھول مرجھا جائیں اور شمع گل ہونے لگے تو یہ صاحب تربت کی افسردہ دلی کی دلیل ہے:

مری تربت پہ افسردہ دلی کا دیکھ لو نقشہ
کہ جتنے پھول ہیں مرجھائے ہیں جو شمع ہے گل ہے

دیوار عنصری

☆عناصر اربعہ کی دیواروں کے بیچ خون سے لبریز رگیں دراصل طیر روح کی بندشیں ہیں، جس دن قدرت کی طرف سے ان بندشوں کے ختم کرنے کا فیصلہ ہو گا اسی دن یہ طنابیں کھینچ دی جائیں گی:

اک طیر روح کے لئے یہ سب ہیں بندشیں
دیوار عنصری میں کھچی ہے طناب سرخ

صلح کل

☆دنیامیں حقیقی طور پر کوئی انسان صلح کل نہیں ہو سکتا کہ اس سے کسی کو اختلاف نہ ہو ،یہ کوئی منافق ہی ہو سکتا ہے، جس کی گردن میں زنار بھی لٹک رہی ہو اور ہاتھ میں نمائشی تسبیح بھی گردش میں ہو:

صلح کل ہم ہو نہیں سکتے مگر اس شرط سے
ہاتھ میں سُبحہ ہو گردن میں پڑی زنار ہو

حقیقت زندگی

☆انسان کی ساری زندگی کی حقیقت ایک شعر میں بیان کر دی ہے:

جوانی کی خوشی پیری کا غم مرنے کی جانکاہی
مری عمر دو روزہ کی فقط اتنی حقیقت ہے

حقیقت کائنات

☆ یہ وسیع کائنات (جس کے کسی ایک جزو کی جملہ تفصیلات کا احاطہ بھی انسان کے لئے ممکن نہیں) خالق عالم کے صرف دو حرف کن کا کرشمہ ہے، اس سے ایک طرف پروردگار کی بے مثال قدرت کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری جانب کائنات کی ایک انتہائی کمزور حقیقت سامنے آتی ہے ، دو حرف سے وجود میں آنے والی شے دو حرف میں مٹ بھی سکتی ہے۔

کن کی وسعت کو سمجھنا چاہئے　　　ہو گئی دو حرف میں کل کائنات

حسرت دیدار

☆موت کے وقت جس کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں، دراصل وہ حسرت دیدار کی ٹکٹکی ہے، جس سے آدمی دیدۂ عبرت نما بن جاتا ہے:

ٹکٹکی باندھے رہے ہم حسرت دیدار میں
جان دے کر دیدۂ عبرت نما ہم ہو گئے

کلام الٰہی کے آبگینے

☆ آہ نے بہت سے سہرے لکھے ہیں، سہرا پھولوں کے مالا کو کہتے ہیں، مگر آہ نے گلاب وموتیا اور یاسمین ونسترن کے ساتھ کلام الٰہی کے آبگینے بھی ان میں جڑ دیئے ہیں، جن سے سہروں میں حسن ومعنویت اور شب دیجور میں بیاض صبح اور طرۂ زلف میں کہکشاں کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے:

کہیں گلاب کہیں موتیا کھلی دیکھی
طرح طرح کے ہیں پھول اور چمن چمن سہرا

زہے نصیب کہ لڑیاں ہیں پانچ سہرے میں
بنا ہے یمن و سعادت کا پنجتن سہرا

جو مالن گوندھ لائی سورۂ شمس و قمر پڑھ کر
تفوق چاند پر بھی لے گئی تنویر سہرے کی
سورۂ اخلاص پڑھ کر آہ نے سہرا کہا
اس لئے یہ بوئے اخلاص و وفا سہرے میں ہے

شب دیجور ہے یا زلف یا سنبل کا طرہ ہے
بیاض صبح ہے واللیل میں یا کہکشاں سہرا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عکس تحریر حضرت مولانا عبد الشکور آہؔ مظفر پوری

(ان کے خود نوشت مجموعۂ کلام سے ماخوذ)

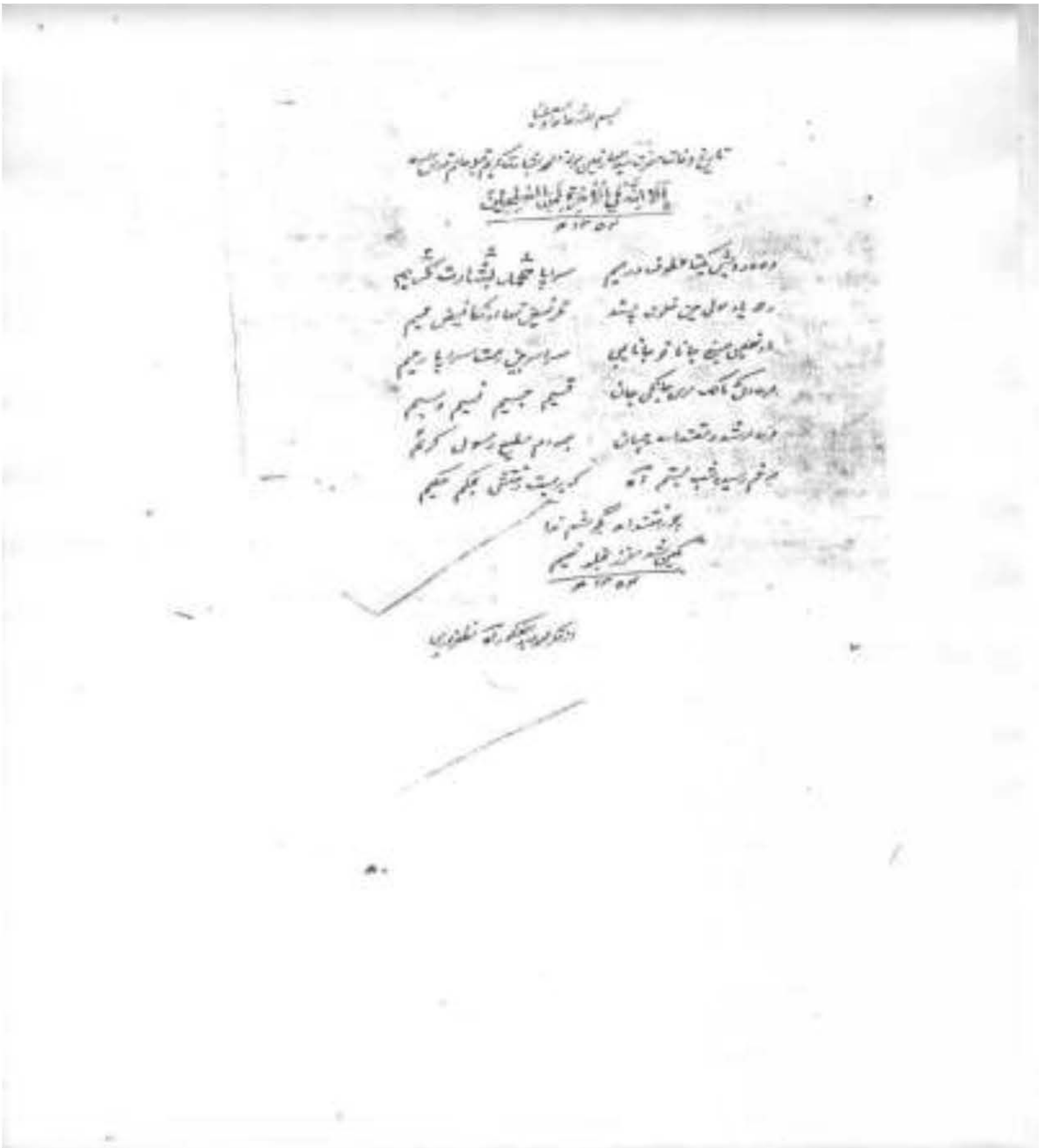

تاریخ وفات حضرت [illegible] قدوة السالکین زبدة العارفین

[illegible] قدس سره

[illegible] الطرف [illegible] سراپا ہمہ بشارت کریم

[illegible] گر فیض [illegible] فیض عمیم

[illegible] جانانہ [illegible] سراپا رحیم

×

[illegible] نسیم جسیم نسیم وسیم

[illegible] ہمدم شفیع رسول کریم

[illegible] کہ بربست رخش بحکم حکیم

[illegible] تکمیل شد [illegible] نعیم

۱۲۵۴ھ

[illegible]

ایضاً

[illegible] الا انّ فی الاخرة لمن الصالحین

۱۲۵۳ھ

قطعہ تاریخ وفات شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ

١٣٣٩ ھ

کیف لا اصغر نار الہم والغم حتی لی — مات شیخ الہند ... اکرم
مات قطب الوقت شیخ الہند محمود الحسن — قیل سال موتہ ... بجنات نعیم

١٣٣٩ ھ

دیگر ٢٥

نالہ ہا بگذشت از چرخ برین — از انتقال حامی دین متین
... سال رحلت گفت آہ — مات محمود الحسن ... الیقین

١٣٣٩ ھ

نعت پاک

بحضور سید الکونین، رسول الثقلین،

امام الاولین والآخرین، خاتم النبیین

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ

(۱)

القصیدۃ العربیۃ

(نعت پاک بہ زبان عربی)

حان ان نثنی علیٰ خیرالوریٰ	الذی نارت بہ شمس الہدیٰ
مارأت عینائی وجہاً مثلہ	صبہ ایضاً کمثلی لن یرا
قد اری من نورہ یجلو القمر	بل رأیت الشمس ایضاً ہٰکذا
قوت قلبی ذکرہ بل فکرہ	رَوح روحی وصلہ واحسرتاہ
ماسواہ حول قلبی لم یدُر	سمعی مشتاق لذکر المصطفا
اعظمی ذابت بحرّ الاشتیاق	یا رسول اللہ یا روحی فدا
ارضہ یارب عندی جنۃ	لیت ربی ہذہ عجلتہا
من تلا آیاتہ مستیقناً	قد تخلی قلبہ عما سواہ
من یطع ہذا النبی مستخلصاً	خیر حیٍّ عند ارباب الصفا
قد رأی واللہ انوار الالٰہ	من رأیٰ انوارذاک المرتضیٰ
رب ہب لی عشقہٗ بل وصلہٗ	انت ربی انت من یعطی المنا
رب ہب لی قرب بطحاء النبی	بعد ما اعطیت قلبی جذبہا
اٰہَ فاز الخیر من صلیٰ علیہ	فلذا اسلم و اصلی دائماً

(۲)

نعت پاک بہ زبان فارسی

اے کہ از نامت نمایاں جاہ و فخر سروری
رفت صیت خلق تو بالائے چرخ چنبری

روئے تو نور الہدیٰ بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ
ذات تو در عُلو رشک گنبد نیلو فری

فضل تو در ذات پنہاں مثل باراں در سحاب
حلم از رویت جلی چوں حسن از حور و پری

سکۂ خلقت زدی بر ہفت ملک ہفت چرخ
حبذا اے وجہ فخر ہر ولی و ہر نبی

شد مرصع ذات تو از زیور عرفان حق
چوں معطر شد ہوا از طیب پاک عنبری

شد ز فیضت ماہ بر گردون دوں بدر منیر
مہر تاباں را میسر از رُخت تابش گری

زانقاش نقش پایت فخرہادارد زمیں

وزغبار راہوارت چرخ راایں برتری

انت یااہل المعالی صدر ارباب العلا

انت یا مولی الموالی فخر دین الاکبر

انت علام جلیل مکرم لاریب فیہ

انت بدرالعلم بل شمس السماء الاخضر

انت برق تخطف ابصار جمع الحاسدیں

انت سیف للعدو الظالم المستنکر

اولیاء دہر را کے با تو باشد نسبتے

آں ہمہ اندر حضیض وتوباوج مہتری

مثل یوسف گرتو آئی بر سر بازار علم

خیزد از قبر کہن بقراط گردد مشتری

اے کہ ذاتت ہر نبی رامنتج مقصود شد

او بود صغریٰ وتو کبریٰ بچندیں اکبری

بحث معقولات ثانی شوشۂ از علم تست

زانکہ تو آموزگار حکمت ودانشوری

تو وجود رابطی اندر میان ہر وجود[15]

در حقیقت عابد و معبود را اصل گری

ہست ناپیدا ثنایت بتکریر وجود

مرحبا اے مایۂ خوش وقتی و نیک اختری

سابع عرض شعیرہ نسبتے دارد بارض

ہم چنیں نسبت بہ تو دارد فلک در برتری

پایگاہت برتر از پرواز طیر عقل کل

زا آستانت مفتخر شد قصر ترک و قیصری

بر وجودت ختم باشد جلوۂ حق اے نبی

بر غلامت ختم شد احیاء رسم رہبری

مرحبا اے پیشوائے اولیاء وانبیاء

مرحبا اے رونق آرائے سریر برتری

تو گل گلزار خوبی دشمنانت خارہا

خارہا را کے بود با گل مجال ہم سری

ابر گرید ز اشتیاقت بحر جوشد در فراق

اے دُر دُرج علا حقا کہ یکتا گوہری

15-وجود رابطی کی تشریح غزل والے حصے میں آرہی ہے انشاء اللہ۔

از نسیم لطف خویت غنچہائے دل شگفت
و ز نوال آل تو ناکام دریوزہ گری

گوہر ذات فریدت درة التاج الکرم
چاریارت راز لطفت بود تاج افسری

من چہ دانم تا بگویم وصف تو اے کان جود
لیک از بہر سعادت کردم ایں مدحت گری

حال زارم نیست پنہاں از تو اے ماوائے من
پس توقع دارد آہ آز لطف جویم بنگری

نظمیں

(۳)

بے ثباتی عالم

جہان بے بقا کی دوستو! ہر چیز فانی ہے
تنفس کی طرح ہر شے یہاں کی آنی جانی ہے
غرض ہونا یہاں کا اک نہ ہونے کی نشانی ہے
تمہی دیکھو! کہاں وہ شوکت نوشیروانی ہے
نظر آتے ہیں جو نقشے یہ سارے مٹنے والے ہیں
اجل نے دھکے دے دے کر ہزاروں کو نکالے ہیں

اسی کی ذات واحد ہے قدیم و باقی و قائم
جو تھا پہلے ازل سے اور رہے گا اک وہی قائم
جہاں کے ظالم وسفاک وجابر منعم وناعم
شریف وخود پسند و بے نوا اور زاہد و صائم
عزیز اور آشنا اغیار اور احباب جتنے ہیں
ذرا یہ بھی تو دیکھ ان سب میں تیرے دوست کتنے ہیں

بھرا ہے یہ جو سودائے ہوس ایک ایک کے سر میں
پھنسا رکھا ہے جس نے کر کے حیراں ایک چکر میں
نہ آسائش سفر میں دے نہ دم لینے دے یہ گھر میں
قضائے ناگہانی سے نکل جائے گا دم بھر میں
گھڑی جب آنے والی آگئی سب بھول جائیں گے
دکھایا جب منہ اس نے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے

کرو شکر اس خدا کا جس نے دی ہے تم کو یہ دولت
تغیر کے تسلسل میں یہاں کی ہے ہر اک حالت
نہیں رہنے کی یہ حالت نہیں ملنے کی یہ مہلت
غنیمت ہے ملی ہے جس قدر یہ زیست اور صحت
یہاں رہ کر وہاں کے واسطے بھی کام کچھ کر لو
بہت لمبا سفر ہے زاد کچھ تو باندھ کر دھر لو

کھنچا رہتا ہے اس کی طرف سے کیوں بے شعور اتنا
تجھے کیوں اپنی اس ہستی پہ رہتا ہے غرور اتنا

عبث تو ہو رہا ہے نشۂ دولت میں چور اتنا
خدا کے واسطے یاد خدا سے ہو نہ دور اتنا

کہ آخر کنج مرقد میں مقرر ہے تری منزل
یہی حالت اگر تیری رہی ہو گی بڑی مشکل

ہزاروں چل بسے عبرت سرائے دہر سے رو کر
بہت رونا پڑا ہے ان کو عمر بے بقا کھو کر

گزارا وقت عیش آرام سارا نیند میں سو کر
جو اٹھے خواب سے آخر تو اٹھے ناتواں ہو کر

کھلی آنکھیں تو پایا فرق ترکیب عناصر میں
نہ طاقت کچھ بدن میں ہے نہ قوت چشم باصر ہے

بری ہے اے عزیزو! فتنہ پردازی دل آزاری
بدی میں اور نیکی میں ہے فرق خواب و بیداری

حیات و موت کا ہے جب ازل سے سلسلہ جاری
مرا ہے آج گر دشمن تو کل ہے دوست کی باری

یہاں آنے کی شادی اور چل دینے کا ماتم کیا
جو ہر انساں کو پیش آنی ہو اس تکلیف کا غم کیا

ملو سب سے محبت سے یہ ہے ارشاد رحمانی
اسی حق نے مزین کی ہے ساری بزم انسانی

مجوسی و یہودی مسلم و ہندی و نصرانی
خراسانی و تاتاری و شامی و بدخشانی

لگایا ہے یہ سارا باغ عالم ایک مالی نے
تمہیں تفریق میں ڈالا ہے کس کوتہ خیالی نے

(۴)

انقلابی نظم

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو
تھام لو قومی نشاں آگے بڑھو آگے بڑھو
جلد اعداء وطن کا منہ عدم کو موڑ دو
کوہ بھی حائل اگر ہو بیچ میں تو توڑ دو
جو دکھائے آنکھ تم کو آنکھ اس کی پھوڑ دو
موت سے اغیار کے رشتے کو اٹھ کر جوڑ دو
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو
تم ہو مسلم قوم تم ہو تیغ و خنجر کے دھنی
سب تمہاری چشم کو کہتے ہیں برچھی کی انی[16]
تم ذرا بپھرو تو شیروں پر بھی چھائے مردنی
کیا تمہارے سامنے ہیں ارمنی و جرمنی
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

---

[16] ۔نوک۔

ہے تمہارا ہر نقب آفاق میں خیبر شکن
چیر ڈالے تم نے آسانی سے شیروں کے دہن

اب ہو تم خاموش کیوں بیٹھے ہوئے اے جانِ من
ہاتھ میں شمشیر لے لو باندھ لو سر سے کفن

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

تم اٹھا لو ہاتھ میں پھر دوش خالدؓ کا علم
زور حیدرؓ کا دکھا دو اور عثماںؓ کا حشم

تم کو ہے کس بات کا کھٹکا بتاؤ کیا ہے غم
ساری دنیا سے زیادہ ہو کسی سے کب ہو کم

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

شیر نر بھی کانپتے ہیں تم سے اے شیر نبرد
کاخ کسرٰی کو مٹا کر کر دیا جب تم نے گرد

کیا تمہارے سامنے ہیں دشمنان روئے زرد
گرم جوشی تم کرو اغیار کی اب جلد سرد

اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

تم اگر چاہو تو ہل جائے ابھی چرخ بریں
شق تمہارے حکم سے ہو ساری دنیا کی زمیں

ہو بپا آفت جہاں میں تم جو بگڑ و اہل دیں
دیر کیا ہے کھینچ لو خنجر الٹ لو آستیں
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

کون کہتا ہے جہاں میں بے سر و ساماں ہو تم
ساری دنیا ہے تمہاری خلق کے سلطاں ہو تم
اشرف المخلوقات بے شک صاحب ایماں ہو تم
یہ شرف کچھ کم نہیں کہ حامل قرآں ہو تم
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

شرم کی جا ہے جو خادم تھے وہ آقا بن گئے [17]
اور جو قطرہ سے بھی کمتر تھے وہ دریا بن گئے
جو تھے کتے در کے سب وہ شیر صحرا بن گئے
اور تم کیا تھے مگر افسوس اب کیا بن گئے
اے میرے پیر و جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

پھر دکھا دو کچھ تماشا خنجر و شمشیر کا
سلسلہ کر دو الگ زنجیر سے زنجیر کا

---

[17] -اسلامی تاریخ کے عروج وزوال کی طرف اشارہ ہے۔

تذکرہ تازہ کرو دنیا میں عالمگیر کا

چیر کر رکھ دو کلیجہ دشمن بے پیر کا

اے میرے پیرو جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

ہاتھ میں لے لو ذرا اسپ جسارت کی لگام

پہلے سے بن جاؤ مل کرامت خیر الانام

برق بن کر گر پڑے اعداء پہ تیغ بے نیام

صفحۂ آفاق سے مٹ جائے ہر دشمن کا نام

اے میرے پیرو جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

توپ کے گولے چلیں تو کر دو سینے کو سپر

دیو اگر آگے بڑھیں توڑ ھیر کر دو مار کر

بات عاشق کی سنو دل سے مخاطب ہو ادھر

دشمن اسلام کی دنیا کرو زیر و زبر

اے میرے پیرو جواں آگے بڑھو آگے بڑھو

(۵)

منظوم استعفاء

ہر چند ترک کار کی عادت نہیں مجھے
پر کیا کروں کہ صبر کی طاقت نہیں مجھے

ہوں مدعا طراز دل سوختہ کا میں
اظہار رنگ حسن طبیعت نہیں مجھے

بدلی ہوئی سی دیکھ رہا ہوں ہوا کو میں
کیا ایسے کارخانہ پہ حیرت نہیں مجھے

نظریں پھری ہوئی ہیں حریفوں کی ان دنوں
لیکن کسی سے پھر بھی عداوت نہیں مجھے

بد کیش[18] بد زبان کو پہچانتا ہوں میں
روکوں زبان اس کی یہ قدرت نہیں مجھے

بے جرم و بے قصور میں ٹھہرا قصوروار
اس پر بھی دل ہے صاف کدورت نہیں مجھے

---

18 ۔ بے دین، بدخو۔

مد نظر تھا درس خدا ہی علیم ہے
مقصود اس سے غیر کی ذلت نہیں مجھے

کرتا کمی سبق میں کسی کے خیال سے
بے شک یہ انکسار و مروت نہیں مجھے

کھلنا جو بالقویٰ تھا وہ بالفعل ہو گیا[19]
پردہ دری کی اس کی ضرورت نہیں مجھے

دیکھا گیا نہ جب فلک کینہ ساز سے
بدلا وہ رنگ دور کہ راحت نہیں مجھے

آخر نفاق و بغض و حسد کا ہوا ظہور
آئی نظر نجات کی صورت نہیں مجھے

وجہ معاش سے مجھے ہونا پڑا الگ
حاصل اگرچہ دولت و ثروت نہیں مجھے

ختم کلام چاہئے اے آہ خستہ دل
بے سود تو پسند طوالت نہیں مجھے

---

[19] ۔ کسی کام کے کرنے کی صلاحیت رکھنا بالقویٰ ہے اور اس کام کو انجام دینا بالفعل ہے۔

سہرے

اور

تہنیتی نظمیں

فسانۂ درد

بحضور مرشد کامل امام قطب ربانیؒ

جناب مرشد کامل امام قطب ربانی

کلید باب عرفاں کاشف اسرار قرآنی

برنگ زلف قسمت میں جو آئی ہے پریشانی

ہے سودا سر کو میرے اور وحشت کی فراوانی

مرے پاؤں کو چل کر مل گیا قدرت کی جانب سے

کہ جیسے دست زاہد کو ملی ہے سبحہ گردانی[20]

تبسم ریز کلیاں خندہ زن گلہائے صحرا ہیں

مری وحشت سے نالاں ہیں غزالان بیابانی[21]

تماشائی مری دیوانگی کا سارا عالم ہے

ہر اک ہندی و افغانی خراسانی و ایرانی

---

20 ۔ تسبیح پڑھنا۔ مالا جپنا۔

21۔ غزالاں غزال کی جمع ہے، جنگلی ہرن ہے۔

ملایا خاک میں آزادیوں کو ہائے رے قسمت
جنوں ہر دم لئے پھرتا ہے مجھ کو مثل زندانی[22]

تصور کی طرح آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں خوشیاں
شکست رنگ عارض کی رہا کرتی ہے مہمانی

نہ کچھ وجہ تسلی ہے نہ سامان مسرت ہے
نصیب اپنے کہاں ایسے کہ حاصل ہو تن آسانی

چھپائے سے کہیں چھپتا ہے یہ درد والم میرا
مری صورت سے ظاہر ہے مرے دل کی پریشانی

مری حسرت مرے ارماں ہوئے پامال غربت میں
غبار ایسا اڑا چہرے کا میرے رنگ نورانی

ہوئی برباد میری چار دیوار عناصر تک[23]
کلیجہ ہو گیا پک پک کے میرا مثل بریانی

نحافت جائے گی میری یہ جان ناتواں لیکر[24]
چڑھا جاتا ہے بام اوج پر اب ضعف جسمانی[25]

---

[22] ۔قیدی، گرفتار شدہ مجرم۔

[23] ۔معروف تصور کے مطابق انسان کی تخلیق چار بنیادی اجزاء سے عمل میں آئی: پانی، ہوا، آگ اور مٹی، مراد یہ ہے کہ سارا وجود ڈھل کر رہ گیا۔

[24] ۔نحافت: کمزوری، لاغری، دبلا پن۔

بحق مرشد برحق زہے قسمت جو ہو جائے
زمین قبر میری مورد الطاف رحمانی

نگاہ مرشد کامل ہے وجہ انبساط دل
نہیں تو میں کہاں بندہ کہاں یہ ذکر سلطانی[26]

دکھائی موت نے صورت جمایا یاس نے نقشہ
مدد کا وقت پہونچا المدد یا شیخ ربانی

غبار راہ ہوں اے آہ لیکن دل یہ کہتا ہے
جناب شیخ کے صدقہ میں ہوگی سیر روحانی

---

[25] -بام اوج: اونچا بالاخانہ، مقام رفعت وعروج۔

[26] -صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق ذکر سلطانی میں کائنات کی ہر چیز ذکر خداوندی میں زمزمہ سنج محسوس ہوتی ہے۔

(۷)

نامۂ محبت

اے سراپا محبت و خوبی　　گوہر بحر حسن و محبوبی
شمع محفل سکون پروانہ　　رنگ گل اور بوئے مستانہ
محرم راز و جان آہ حزیں　　مرہم زخم دل جگر کی مکیں
تم سلامت رہو ہزار برس　　باکرامت رہو ہزار برس
تیسرا خط یہ نظم کرتا ہوں　　فسخ آنے کا عزم کرتا ہوں
کچھ تو بیمار و ناتواں ہوں میں　　بیکسی میں پڑا یہاں ہوں میں
رات بھر آہ آہ کرتا ہوں　　اپنی حالت تباہ کرتا ہوں
کون پوچھے کہ دل بہل جائے　　کون روئے جو دم نکل جائے
اس پہ ہیں کچھ ضرورتیں ایسی　　کشمکش کی ہیں صورتیں ایسی
جن سے موقع نہیں ہے آنے کا　　رنگ بدلا ہے یوں زمانے کا
بس کہ آنا محال ہے مجھ کو　　باعث صد ملال ہے مجھ کو
گذریں گی مدتیں کئی دن کی　　رات کٹتی ہے جیسے کمسن کی
پھر ملیں گے اگر خدا چاہے　　ہم وہ چاہیں جو دل ربا چاہے

آہ کب تک یہ خامہ فرسائی
کر دعا اور سلام شیدائی[27]

---

[27] ۔حضرت آہ کی ڈائری میں رفیقۂ حیات کے نام ایسے کئی منظوم خطوط موجود ہیں، یہاں بطور نمونہ صرف ایک خط شامل کیا گیا ہے۔

(۸)

سہرا

یہ تابش رخ روشن پہ ضو فگن سہرا
کمال حسن کا وہ مہر اور کرن سہرا

ادا ادا میں دکھاتا ہے بانکپن سہرا
بنا ہے قافلۂ دل کا راہزن سہرا

ہے انبساط کا باعث جبین روشن پر
نہیں تو چاند کے ٹکڑے پہ ہو گہن سہرا

کہیں گلاب کہیں موتیا کھلی دیکھی
طرح طرح کے ہیں پھول اور چمن چمن سہرا

زہے نصیب کہ لڑیاں ہیں پانچ سہرے میں
بنا ہے یمن و سعادت کا پنجتن سہرا

چڑھا جو سر تو نکالا ہے پاؤں چادر سے
وہ دیکھو چوم رہا ہے لب و دہن سہرا

خدا کا فضل ہو دولہا دولہن رہیں آباد

دعا پہ ختم کروائے حسؔن حسن سہرا[28]

---

[28] - حضرت آہؔ نے بہت سے سہرے لکھے، ان میں سے کچھ ڈائری میں محفوظ رہ گئے ہیں، بعض سہروں میں نشاندہی ہے کہ یہ کس کے لئے لکھے گئے ہیں، اور اکثر بے نشان ہیں، لیکن قرائن اور لب ولہجہ کی معنویت سے کچھ تعینات کئے جاسکتے ہیں، اس لحاظ سے یہ سہرا غالباً حضرت آہؔ نے اپنے بڑے صاحبزادے (جو محل اولیٰ سے تھے) قطب الہند حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن منورویؒ (ولادت ۱۹۰۱ء، متوفی ۱۹۶۷ء مزار مبارک منورواشریف سمستی پور) کے لئے لکھا تھا، جو اس حقیر مرتب کے جد امجد ہیں، مقطع میں آہؔ کی جگہ پر حسن کی تکرار، یمن وسعادت اور کائنات کے گل بوٹوں کی خوبصورتی کا ذکر غالباً اسی مناسبت سے ہے۔

حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن کی ولادت شہر مظفر پور میں ہوئی، آپ کی دو شادیاں تھیں:

☆ پہلی شادی (تقریباً ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء) مرحومہ جمیلہ خاتون (م ۲۰۰۶ء) سے مظفر پور میں ہوئی اور اسی موقعہ پر یہ سہرا لکھا گیا۔

☆ اور دوسری شادی (تقریباً ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء) لادھ کپسیا (موجودہ ضلع سمستی پور) میں محترمہ جمیلہ خاتونؒ (متوفیہ فروری ۲۰۰۸ء مطابق محرم الحرام ۱۴۲۹ھ) بنت جہانگیر عرف جہانی مرحوم سے ہوئی، جب کہ آپ کے والد ماجد حیات ہی سے تھے، البتہ بعد مکانی تھا، تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ کریں حقیر راقم الحروف کی کتاب "حیات قطب الہند حضرت منورویؒ"، مطبوعہ جامعہ ربانی منورواشریف بہار۔

(۹)

سہرا

به تقریب شادی ماسٹر سید محمود حسن مظفرپوریؒ

(صاحبزادۂ خورد حضرت آہؔ)[29]

ایسا چمن کا رنگ نہ ایسے چمن کے پھول

اے غنچۂ مسرت و باغ حسن کے پھول
تم پر نثار لعل و گہر اور چمن کے پھول

سہرے میں گوندھتے نہیں طرز کہن کے پھول
کلیاں دلوں کی ہیں تو ہیں در عدن کے پھول

طرہ ہے امتیاز کا دستار میں تری
سہرے میں سارے پھول ہیں باغ سخن کے پھول

---

[29]- یہ حضرت آہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، اور دوسرے محل سے ہیں، اس سہرے کو خود حضرت آہؔ نے ان کے لئے نامزد فرمایا ہے، یہ سہرا ابھی ان کی پہلی شادی کے موقعہ کا ہے، اس کے بعد ماسٹر صاحب مرحوم کی دو شادیاں والد ماجد کی وفات کے بعد ہوئیں۔۔۔۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ کریں حقیر راقم السطور کی کتاب "تذکرہ حضرت آہ مظفرپوریؒ"۔

نظریں ٹکی ہیں تار شعاعی میں اس طرح
سہرے میں جس طرح سے لگے ہوں کرن کے پھول

حوروں نے آج سہرا سنایا کہ واہ واہ
ہنس ہنس کے گل رخوں نے کھلائے دہن کے پھول

دولہا ہے گل عذار تو دلہن بھی گل بدن
گل پیرہن یہی ہیں یہی پیرہن کے پھول

اللہ رے برکتیں تری قدرت کے ہم نثار
سہرے میں جمع ہوگئے سارے زمن کے پھول

اے آفتاب حسن شہ بزم انبساط
رونق وطن کو تم سے ہو تم ہو وطن کے پھول

سہرا جناب آہؔ نے کیا خوب لکھدیا
باغ جہاں میں کھل گئے فرض وسنن کے پھول

(۱۰)

کس نگاہ شوخ و چنچل کی ادا سہرے میں ہے
ہر لڑی پھولوں کی طرفہ ماجرا سہرے میں ہے[30]

کیا بتائیں ہم خوشی کی بات کیا سہرے میں ہے
مژدۂ عیش و نوید جانفزا سہرے میں ہے

مصحف روئے مسیحا جو چھپا سہرے میں ہے
آج بیمار محبت کی دوا سہرے میں ہے

دل کو پل میں چھین لے عالم کو کر دے جو شہید
آج وہ کافر نگاہ فتنہ زا سہرے میں ہے

حسرت و شوق و تمنا آرزو و اشتیاق
چھپ چھپا کر ہم رکاب مدعا سہرے میں ہے

سورۂ اخلاص پڑھ کر آہ نے سہرا کہا
اس لئے یہ بوئے اخلاص و وفا سہرے میں ہے

---

30 ۔طرفہ ماجرا: انوکھا واقعہ، تعجب کی بات۔

(۱۱)

بندھا نوشاہ کے سر سے زہے تقدیر سہرے کی
اچھوتی زلف کے ہمسر ہوئی توقیر سہرے کی

جو مالن گوندھ لائی سورۂ شمس و قمر پڑھ کر
تفوق چاند پر بھی لے گئی تنویر سہرے کی[31]

کسی کا دل کھلا جاتا ہے جو غنچہ کی صورت میں
مسرت ہو رہی ہے آج دامن گیر سہرے کی

جو خدام ازل نے اِن کا خاکہ کھینچنا چاہا
تو بدلے کاکلوں کے کھنچ گئی تصویر سہرے کی[32]

خوشا قسمت جو دل تھا مبتلا زلف مسلسل کا
اسی کے آج قدموں پر گری زنجیر سہرے کا

شمیم جاں فزا پھیلی معطر ہو گیا عالم
چلی دوش صبا پر جس گھڑی تاثیر سہرے کی

---

31 ۔ تفوق: برتری۔

32 ۔کاکل: زلف، گیسو، لٹ۔

کہیں گل ہیں کہیں کلیاں کہیں تار شعاعی ہے[33]

مسرت کا سراسر ہے سماں تصویر سہرے کی

خدا آباد رکھے دلہا دلہن کو ہمیشہ آہ

انہیں سہرا مبارک ہو ہمیں تحریر سہرے کی

(۱۲)

شعاع حسن کا ہے یہ کمال سہرے میں

امنڈ آیا ہے رخ کا جمال سہرے میں

نہیں ہے تل تہ رخسار روئے زیبا میں

لئے ہے ہاتھ میں قرآں ہلال سہرے میں

نگہ کے تار میں ہیں پتلیاں بجائے گہر

بندھا ہے رشتۂ جاں سے خیال سہرے میں

کسی کے راز کے مانند چھپ نہیں سکتا

خوشی کا شوق کا ارماں کا حال سہرے میں

خدنگ ناز سے بچ کر کہاں چلے ہو تم[34]

بچھا ہوا ہے محبت کا جال سہرے میں

---

33 -تار شعاعی: روشنی کی کرن۔

34 -خدنگ: چھوٹا تیر۔

نظر ٹکی ہے کرن کے عوض میں عالم کی
خوشی سے غنچۂ دل ہے نڈھال سہرے میں
اِدھر ہے موج مسرت اُدھر حیا چھائی
یہاں طلب ہے وہاں قیل و قال سہرے میں
تمہیں یہ ساعت میمون اب مبارک ہو
علی الدوام رہے نیک فال سہرے میں [35]
قلم کو روک کے آہ بس یہی کہدو
ہو بارش کرم ذوالجلال سہرے میں

[35] ۔علی الدوام: ہمیشہ

(۱۴)

گل تر ہے مر انوشہ بہار بے خزاں سہرا

رخ انور کے صدقہ میں ہوا ہے ضو فشاں سہرا
نہیں تو بات سچ یہ ہے کہاں چہرا کہاں سہرا

مبارک ہو تمہیں امرین کا عالی مکاں سہرا[36]
بندھے اسلام کا سہرا یہی ہو جاوداں سہرا

گلستان ارم سے گوندھ لایا باغباں سہرا[37]
مرے نوشہ کا سہرا ہے بہار بے خزاں سہرا

شمیم جاں فزا پھیلی معطر ہو گیا عالم
گل رخسار سے مل کر ہوا جب گل فشاں سہرا

یہ رفعت دیکھ کر چکرا نہ جائے آسماں کیونکر
کہ عالی حوصلہ کے سر پہ ہے جلوہ کناں سہرا

بنا نور نظر تار شعاعی جب کہ سہرے کا
ہوا ہے چشم بینا میں سراپا پتلیاں سہرا

---

36 -امرین: لازوال-

37 -ارم: شداد کی بنوائی ہوئی جنت، مجازاً بہشت کے معنٰی میں۔

زہے قسمت خوشا طالع کہ لڑیاں پانچ ہی ٹھہریں
ولائے پنجتن رکھے نہ کیوں کر ہر زماں سہرا

شب دیجور ہے یا زلف یا سنبل کا طرہ ہے[38]
بیاض صبح ہے واللیل میں یا کہکشاں سہرا[39]

گلوں نے آہ افشا کر دیا راز مسرت کو
نہ ہوتا خندہ گل گر نہ ہوتا رازداں سہرا

---

[38] ۔شب دیجور: تاریک رات۔ ۔☆ طرہ: چوٹی، پھندنا جو پگڑی کے اوپر لگاتے ہیں۔

[39] ۔کہکشاں: ستاروں کا جمگھٹ، بہت سے چھوٹے چھوٹے ستاروں کی دھار جو اندھیری رات میں سڑک کی مانند آسمان پر دور تک نظر آتی ہے۔

مرثیے

اور

وفیات

(۱۴)

مرثیۂ محبوب

کیوں آسماں نے مجھ کو ستایا یہ کیا کیا
کیوں تم کو زیر خاک سلایا یہ کیا کیا
فرقت کی لذتوں کو چکھایا یہ کیا کیا
کیوں کمسنی میں مجھ کو رلایا یہ کیا کیا
کب کی عداوتوں کا لیا انتقام آج
مجھ کو دیا جو مژدۂ یاس دوام آج

کیوں بیٹھے بیٹھے در پئے آزار ہو گیا
کیوں ناروا ستم کا روادار ہو گیا
کیوں دشمن سکون دل زار ہو گیا
کیوں رنج و غم گلے کا مرے ہار ہو گیا
کیوں آفتوں میں مجھ کو پھنسایا ہے آہ آہ
کیوں دن فراق کا یہ دکھایا ہے آہ آہ

زخم جگر کے واسطے مرہم تمہیں تو تھیں
دل کی کلی کو قطرۂ شبنم تمہیں تو تھیں

لے دے کے اک جہان میں ہمدم تمہیں تو تھیں
راز و نیاز عشق کی محرم تمہیں تو تھیں

تم کیا گئیں جہاں سے مری راحتیں گئیں
اب بھی میں مر چکوں تو کہوں آفتیں گئیں

تجھ سے بہار گلشن ہستی تھی میری جان
آباد ایک دن یہی بستی تھی میری جان

کیا اتنے روزوں موت ترستی تھی میری جان
ایسی ہی جان کیا تیری سستی تھی میری جان

کس نے لحد سے تجھ کو ہم آغوش کر دیا
کس نے سدا کے واسطے روپوش کر دیا

اب کون ہے کہ جس کی محبت پہ ناز ہو
اب کون ہے جو محرم اسرار و راز ہو

اب کون ہے کہ جس سے حصول نیاز ہو
اب کون ہے جہاں میں مجھے جس پہ ناز ہو
اب کون ہے کلیجہ سے مجھ کو لگائے کون
ہو میرے سر میں درد تو آنسو بہائے کون

چھاتی کا پیٹنا ہے کبھی سر کا کوٹنا
مرنا تمہارا مجھ پہ ہے بجلی کا ٹوٹنا
لائے گا رنگ میرے مقدر کا پھوٹنا
پیغام مرگ کیوں نہ ہو سنگت کا چھوٹنا
مجھ کو بھی یہ زمین چھپالے گی ایک دن
دنیا سے دیکھنا کہ بلالے گی ایک دن

آئی تھی عمر کیا ابھی جانا نہ تھا تمہیں
پیک اجل کے فقروں میں آنا نہ تھا تمہیں
میرا ابھی پاس چاہئے تھا یا نہ تھا تمہیں
بیڑا ابھی سفر کا اٹھانا نہ تھا تمہیں

تعجیل کیا تھی بھائی کا سہرا تو دیکھتیں
شادی میں دھوم دھام کا جلسہ تو دیکھتیں

مانا ہیں خلد میں تمہیں عافیتیں ہزار
مانا کہ زیر حکم ہیں حوران گل عذار
مانا نظر فروز تمنا ہے سبزہ زار
مانا کہ دل فریب ہے لطف گل و بہار
لازم تھا چھوڑنا مجھے تنہا تمہیں کہو
آخر وفا ہے نام اسی کا تمہیں کہو

سوز دروں نے مجھ کو جلا کے کیا ہے خاک
اڑتے ہیں شعلے دل سے تو اوروں پہ ہے تپاک
دامن کی طرح سینہ بھی اپنا ہے چاک چاک
دیکھیں تو رحم کرتا ہے کب تک خدائے پاک
فصل خزاں میں بھی مجھے سودا کا جوش ہے
اک بے خودی سی ہے نہ خرد ہے نہ ہوش ہے

منہ زرد ہونٹ خشک جگر خوں ہے مری جان
آنکھوں میں اشک دل میں قلق لب پہ ہے فغاں
جی چاہتا ہے ساتھ رکھوں اپنے نوحہ خواں
آفت اگر ہو ایک تو اس کو کروں بیاں
دکھ درد ہوں ہزار تو پھر کیا کرے کوئی
کن کن مصیبتوں کا مداوا کرے کوئی

تم تو مزے میں ہو رہیں جا کے مکین خلد[40]
بھائی ہوئی ہے تم کو بہت سر زمین خلد
حاضر ہے دست بستہ ہر اک مہ جبین خلد
مجھ کو بھی کاش گھر کوئی ملتا قرین خلد[41]
پیاری تمہارے ساتھ میں اوقات کاٹتا
دن کاٹتا وہیں پہ وہیں رات کاٹتا

----

40 ۔مکین خلد: جنت کا باشی۔
41 ۔قرین: نزدیک، نظیر، مشابہ۔

کس درد کی زباں سے کہا ہے یہ مرثیہ
سب پیٹتے ہیں سر کو بلا ہے یہ مرثیہ
نالاں ہوا ہے جس نے سنا ہے یہ مرثیہ
خود میں نے آہ رو کے لکھا ہے یہ مرثیہ
خون جگر سے چاہئے لکھنا یہ واقعہ
ایسا ہے سانحہ یہ ہے ایسا یہ واقعہ [42]

[42] -یہ مرثیہ حضرت آہ نے غالباً اپنی بہن کے انتقال پر لکھا تھا جن سے وہ ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔

(۱۵)

محبوب بے نشان

تھا مری تقدیر میں لکھا جو غم
چل بسا وہ دل ربا سوئے ارم

سال رحلت آہ جب یاد آگیا
منہ سے نکلا میرے ہائے رنج و غم (۱۳۱۵ھ)

(۱۶)

قطعات تاریخ وفات

زوجۂ مولانا مختار احمد مرحوم

امرأ هيفاء جسماً نادره
التی كانت لبعل خاتره
اذ قضت فكرت فی ارخ لها
فاتیٰ بشریٰ لها من مغفرة (۱۳۲۵ھ)

(۱۷)

تاریخ وفات یوسف علی مرحوم

کچھ نہ دی ہائے موت نے مہلت
کام آئی نہ دولت و ثروت

ساری دنیا نظر میں ہے تاریک
چھپ گئی جب سے چاند کی صورت

ایک یوسف علی کے مرنے سے
مٹ گئی زندگی کی سب لذت

دل پہ بجلی گراتی ہے اکثر
یاد آکر وہ صورت وسیرت

دل کے ارمان رہ گئے دل میں
بیاہ تک کی نہ آسکی نوبت

خاک میں مل گئیں تمنائیں
رہ گیا حرف گریۂ حسرت

آہ لکھ یہ دعائیہ تاریخ

مرا یوسف ہو زینت جنت (۱۳۳۸ سنہ ھ)

(۱۸)

قطعات تاریخ وفات

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

رحلت استاذی- شیخ الہند مولوی محمود الحسنؒ -(۱۳۳۹ھ)

کیف لااصلی بنار الهم اذ لم یبق لی
من شیوخ اوعطوف ذی صلاح او کریم
مات قطب الوقت شیخ الہند محمودالحسن
قیل لی ـــہا روحہ فازت بجنات نعیم

۱۳۳۹ھ

(۱۹)

دیگر

نالہا بگذشت از چرخ بریں
ز انتقال حامی دین متیں
از سرِ دل سال رحلت گفت آہ
مات محمود الحسن موت الیقین (۱۳۳۹ھ) [43]

---

43 -حضرت شیخ الہند دارالعلوم دیوبند کے اولین طالب علم ہیں، آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے تلمیذ رشید اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفۂ ارشد ہیں، سینکڑوں اکابر علماء اور محدثین کے استاذ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہوئے، اشاعت علوم نبوت کے ساتھ حریت وطن اور احیاء

(۲۰)

تاریخ طباعت دیوان حضرت شاہ حامد حسین حامدؒ

سابق سجادہ نشیں درگاہ حضرت شاہ ارزاں قدس سرہ[44]

خلافت کے لئے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، تحریک ریشمی رومال آپ کی بے پناہ سیاسی بصیرت اور دینی حمیت کی عکاس ہے، جامعہ ملیہ اسلامیہ وغیرہ متعدد اہم ملی وتاریخی اداروں اور تحریکات کی بنیادیں آپ کے دست فیض کی مرہون منت ہیں، آپ نے اپنے وقت میں ملک وملت کے لئے جو ہمہ گیر اور ہمہ جہت کارنامے انجام دیئے ان کی مثال نہ آپ کے معاصر دور میں ملتی ہے، اور نہ آپ کے بعد۔۔۔

حضرت آہؔ مظفرپوریؒ کے والد ماجد حضرت مولانا نصیر الدین نصرؔ مظفرپوری حضرت شیخ الہندؒ کے ان کمالات وامتیازات سے واقف اور آپ کے بے انتہا مداح تھے، ان کی خواہش تھی کہ ان کے فرزند کچھ عرصہ آپ کی زیر تربیت رہیں، مولانا عبد الشکور آہؔ کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے مدرسہ میں زیر تعلیم تھے، اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں پایۂ کمال تک پہونچ چکے تھے، لیکن والد ماجد کی خواہش پر وہ دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور حضرت شیخ الہندؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی، حضرت آہؔ اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ جن اساتذہ سے متاثر ہوئے ان میں حضرت شیخ الہندؒ سر فہرست تھے، آپ اکثر ان کے ذکر میں رطب اللسان رہتے تھے۔

[44]- سید شاہ حامد حسین حامدؔ کی شخصیت ادبی اعتبار سے اپنے عہد میں ممتاز تھی، داغؔ دہلوی سے تلمذ رکھتے تھے، ان کا پورا دیوان عشق ومحبت سے لبریز ہے، سلاست وفصاحت کا دریا ہے، عشق ومحبت کا نمونہ دیکھئے:

کیا کام دے گا جس کو فقط ہو خدا سے عشق — ہو گی نجات کیا جو نہ ہو مصطفےٰ سے عشق

حب نبی نہیں ہے تو کہاں ہے خدا سے عشق — کچھ ہو طلب خدا کی تو کر مصطفےٰ سے عشق

غزل کے علاوہ نعت ومنقبت اور مرثیہ نگاری میں بھی کمال رکھتے تھے، ان کے مرثیہ کا ایک شعر:

ملے گی نہ محشر میں کیوں کر نجات — کہ حامدؔ شریک عزا ہو گیا

ان کی غزل کا نمونہ ملاحظہ ہو:

یہ گنہگار محبت ہے خدا شاہد ہے — ابتدا ہی سے دل اس کفر کو ایماں سمجھا

آپ کے کلام میں بڑی حد تک حضرت آہؔ کے طرز اور فکر کی جھلک معلوم ہوتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے حضرت آہؔ سے بھی علمی استفادے کئے تھے، ان کے بھائی مولانا سید شاہ عاشق حسین عاشقؔ (جو ان کے بعد درگاہ شاہ ارزاں کے سجادہ نشیں

شعر بھی خوب طباعت بھی خوب
کیوں نہ ہو اہل سخن کو محبوب
شاہ ارزاں کا اسے فیض کہوں
مصرع تنگ میں ندرت مصحوب

ہوئے) تو باقاعدہ حضرت آہ کے شاگرد ہی تھے، انہوں نے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تعلیم حاصل کی تھی، انہی قریبی تعلقات نے دیوان حامد پر حضرت آہ سے وہ کلام لکھوایا جو اوپر درج ہے۔

شاہ حامد حسین حامد نہ صرف ایک صاحب دیوان شاعر تھے، بلکہ وہ ایک ادب نواز شخصیت کے بھی مالک تھے، انہوں نے پٹنہ میں مشاعروں کی روایت اور ادبی ماحول کو باقی رکھنے میں نمایاں خدمات انجام دیں، وہ ہر ماہ پٹنہ میں ایک ادبی مجلس اور سال میں کوئی بڑا مشاعرہ منعقد کرتے تھے جس میں ہندوستان کے اکثر ممتاز شعراء مدعو ہوتے تھے۔۔۔۔ اسی سلسلے میں ۱۸/ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹/ اپریل ۱۹۱۹ء میں منعقد ہونے والا وہ عظیم الشان مشاعرہ آج بھی تاریخ کے اوراق میں اپنی اہمیت وافادیت اور انفرادیت کے لئے یاد کیا جاتا ہے، جس میں دہلی سے داغ دہلوی کے داماد سائل دہلوی اور لکھنؤ سے عزیز لکھنوی نے شرکت کی تھی، دبستان عظیم آباد کی تاریخ میں حامد عظیم آبادی کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔۔۔۔۔۔۔

آپ درگاہ شاہ ارزانی (سلطان گنج پٹنہ) کے گیارہویں سجادہ نشیں تھے، حضرت شاہ حیدر علیؒ کے وصال کے بعد ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں صرف پندرہ (۱۵) سال کی عمر میں آپ منصب سجادگی پر فائز ہوئے، آپ کی تاریخ پیدائش ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء کی ہے، وفات ۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۶۷ء میں ہوئی، نماز جنازہ حضرت مولانا سید شاہ صبیح الحق عمادی سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ نے پڑھائی۔۔۔۔

آپ کا دیوان پہلی بار ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا، اور اسی میں حضرت آہ کا یہ کلام بھی ہم رشتہ تھا، افسوس اس کے دوسرے ایڈیشن میں مرتبین نے اس قدر وقیع کلام کو محض تاریخ طباعت بدل جانے کی بناپر حذف کر دیا، خدابخش لائبریری پٹنہ میں اس دیوان کا یہی دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے، اس کا پہلا ایڈیشن تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہیں مل سکا۔

آپ کا ایک اور مختصر مجموعۂ کلام "کلام حامد" کے نام سے شائع شدہ ہے جس کو سید شاہ نبی حسن قادری چشتی خادم آستانہ قطبیہ محلہ شاہ ارزاں نے مرتب کیا ہے، اور بزم صوفیہ ارزانیہ کلکتہ نے شائع کیا ہے، شاہ حامد کے یہ حالات اسی کلام حامد کے مقدمہ سے لئے گئے ہیں، میں شکر گذار ہوں صاحب سجادہ درگاہ شاہ ارزاں جناب شاہ انظار حسین صاحب زید مجدہم کا کہ انہوں نے اس نایاب نسخہ کی فوٹو کاپی ہمیں فراہم کی، جناب انظار حسین صاحب مولانا عاشق حسین عاشق صاحب کے صاحبزادہ اور درگاہ شاہ ارزاں کے موجودہ سجادہ نشیں ہیں۔ (کلام حامد ص ۱تا۱۰، مرتبہ سید شاہ نبی حسن ناشر بزم صوفیہ ارزانیہ کلکتہ)

اور بحروں کا تو کہنا کیا ہے
سطح دریا پہ درر، نظم اسلوب

راز الفت کے دریدہ پردے
جس سے ہو بنت عنب بھی محجوب

عشق کو صبر سے جتلایا ہے
گویا عاشق ہے سراپا ایوبؑ

وصف دیواں سے زبانیں قاصر
جھوٹ کہنا ہے سراسر معیوب

آہ مداح نے لکھدی تاریخ
از دل داد کلام مرغوب (۱۳۳۹ھ)

(۲۱)

شیخ محبوب علی مرحوم

حیف صد حیف آنکہ بُد مشہور در آفاقہا
با مروت بے ریا کان عطا بحر سخا

روز عاشورہ پدید او بست سامان سفر
سایۂ لطف اتم ہیہات شد از ما جدا

جملہ افتادند از رنج والم در شور و شین
شد زمین و آسماں ہم چوں زمین کربلا

چوں ز بے ہوشی بہ ہوش آمد دل صدچاک من
جستجوئے سال رحلت کردم از بہر بقا

ہاتف غیبی بگفت اے آہ بنویس ایں چنیں
در جوار خلد محبوب علی جلوا نما (۱۳۴۷ھ)
خوابگاہ شیخ محبوب علی بعد از فنا ۱۹۲۸ء

(۲۲)

تاریخ وفات حضرت سید العارفین

مولانا شاہ محمد بشارت کریم قبلۂ عالم قدس سرہٗ

اَلَااِنَّہٗ فِي الآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِين (۱۳۵۴ھ)

وہ درویش یکتا عطوف ورحیم
سراپا محمد بشارت کریم

رہے یاد مولیٰ میں خلوت پسند
مگر فیض تھا ان کا فیض عمیم

انہیں جس نے جانا تو جانا یہی
سراسر ہیں رحمت سراپا رحیم

مرے دل کے مالک مری جاں کی جاں
قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیمٌ

مرے مرشد و مقتدائے جہاں
ہمہ دم مطیع رسول کریمؐ

مہ غم رسید و شب بستم آہ
کہ بر بست رخش بجکم حکیم

چو رفتند آمد بگوشم ندا

مکیں شد معزز بخلد نعیم[45] (۱۳۵۴ھ)

---

[45] ۔حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کا سانحۂ وفات ۱۹ / محرم ۱۳۵۴ھ روز چہار شنبہ گذار کر بیسویں محرم کی شب قریب دو بجے پیش آیا، آہ۔

حضرت آہؔ مظفرپوری باوجودیکہ آپ کے ہم عصر اور ہم درس تھے ،اور مظفرپور سے لیکر کانپور تک دونوں کی تعلیم کا زمانہ ساتھ ساتھ گذرا تھا، حضرت آہؔ کے والدماجد حضرت مولانا نصیر الدین نصرؔ دونوں کے مربی اور سرپرست تھے، مظفرپور کے زمانۂ تعلیم سے ہی حضرت آہؔ کے گھر حضرت گڑھولوی کی آمدورفت تھی،اتنی طویل معاصرانہ رفاقت اور بے تکلفی کے باوجود حضرت آہؔ حضرت گڑھولویؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے،اس سے جہاں حضرت گڑھولویؒ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے تو وہیں دوسری طرف حضرت آہؔ کی بے نفسی، سادہ دلی اور جذبۂ خدا طلبی کا بھی ثبوت ملتا ہے،واقعی دونوں قران السعدین تھے۔

(۲۳)

تاریخ وفات مولانا شاہ وارث حسن چشتیؒ

الٰہی یہ کیسا ہے رنج و محن
جگر ٹکڑے ٹکڑے ہے دل میں جلن

کہیں کوئی درویش کیا چل بسا
اندھیرا ہوا جس سے سارا زمن

غلط ہو الٰہی جو افواہ ہے
کہ مرشد نہیں زیر چرخ کہن

بہر حال ہے جب کہ جانا ضرور
تو دنیا کہاں کی کہاں کا چمن

کروں فکر عقبیٰ کہ کچھ کام آئے
نہیں تو ہے بے سود شعر و سخن

دعا میں یہ کہتا ہے آہ حزیں
خدا سے ملیں شاہ وارث حسن[46] (۱۹۳۶ھ)

---

[46] ۔مولانا شاہ وارث حسن چشتی جہان آبادیؒ کے حالات پیچھے گذر چکے ہیں۔

(۲۴)

تاریخ وفات شیدا عظیم آبادی

چل بسے اے آہ شیدا زیر خاک
غم سے سینہ ہو رہا ہے چاک چاک

تھے محبان علی سے لا کلام
تھا مگر شعر و سخن میں انہماک

ناک تھے گو وہ عظیم آباد کی
مفلسی سے حال تھا افسوس ناک

مجھ کو جب تاریخ کا آیا خیال
لکھ نہ سکتا تھا کہ تھا غم سے تپاک

ناگہاں غیبی ندا آنے لگی
آہ لکھدو-تربت شیدا ہے پاک (۱۳۵۵ھ)

(۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ)

(۲۵)

تاریخ وفات شرف النساء بنت محمد مصطفیٰ

بزیر خاک چوں جائے نہاں یافت

شہید ایں حیات جاوداں یافت

۱۳۵۵ھ

----

(۲۶)

ماتم آہ

یہ کس کا سوگ ہے جو چین دم بھرا نہیں سکتا

کلیجہ یوں دھڑکتا ہے کہ تھاما جا نہیں سکتا

جناب آہ ہے ہے چل بسے دنیائے فانی سے

انیس غمزدہ کو عیش کوئی بھا نہیں سکتا

(۲۷)

تاریخ وفات آہ

کھل رہا ہے مجھ پہ راز لا الہ
دیکھ کر جاتے ہوؤں کو آہ آہ[47]

فاضل و فاضل گر و نکتہ شناش
بے عدیل و واقف اسرار راہ[48]

نیک طینت بامروت بے ریا
علم میں یکتا عمل کے بادشاہ

---

[47] -(لایتجاوز عن ھذہ) یہ پوری نظم حضرت آہؔ کی ڈائری میں انہی کے خط میں موجود ہے، اور نظم کے عنوان کے ساتھ بین القوسین میں یہ خط کشیدہ جملہ بھی مرقوم ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آہؔ نے خود اپنے لئے بھی تاریخ وفات لکھی تھی اور مختلف اوقات میں مختلف زاویوں سے لکھی، اس سے ان کے استحضار آخرت اور پروردگار سے ملنے کے شوق و آرزو کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے اپنی زندگی کے آخری چند سال مسلسل موت کے انتظار (مراقبہ) میں گذارے، اور وفات سے قبل ہی انہوں نے موت کا لبادہ اوڑھ لیا، بقول فانیؔ بدایونی

تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کئے

البتہ ان تواریخ میں آپ کا انتقال نہیں ہوا (العلم عند اللہ) بلکہ آپ کی وفات ۱۸/رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۷/جون ۱۹۴۶ء کو ہوئی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

[48] -بے عدیل: بے نظیر، بے مثال۔

بحر توحید خدا میں غوطہ زن
گوہر معنیٰ گزیں شام و پگاہ[49]

کون! یعنی مولوی عبد الشکور
تھا تخلص شاعروں میں جن کا آہؔ

نام تاریخی تھا ظفر احسن (۱۲۹۹ھ)
ربط تھا قطب زماں سے دل سے چاہ

التزام خامشی رکھتے مگر
رازبستہ کھولدیتے گاہ گاہ

جس گھڑی ہونے لگا ان کا وصال
آسماں پر چھا گیا ابر سیاہ

لکھ گئے ہیں آہؔ تاریخ وفات
خاک میں ملکر ملیں گے حق سے واہ[50] (۱۳۶۱ھ)

---

49 -پگاہ: صبح،

50 -(نوٹ) اگر مصرعۂ تاریخ اس طرح ہو: خاک میں مل کر ملے ہیں حق سے واہ (۱۳۴۶ف) تو ہجری کے بجائے فصلی تاریخ بن جائے گی۔ آہؔ۔

یہ نظم اور اگلی نظم دراصل حضرت آہؔ کا شخصی کوائف نامہ ہے جس میں ان کی ولادت سے لیکر وفات تک کا ذکر ہے، زندگی کی تلخیوں کے بھی اشارے ہیں اور ان کے علم و کمال کا بھی تذکرہ ہے، جو شعر و ادب کی دنیا میں معیوب نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ پھر ان کو کیا خبر تھی کہ یہ شخصی ڈائری کبھی منظر عام پر بھی آئے گی، ان کا مزاج شہرت سے گریز کا تھا، وہ شاعری برائے خود کلامی و خود شناشی کے قائل تھے۔

(۲۸)

دیگر

تاریخ وفات آہؔ

آہؔ بیکس کو بڑے رہبر ملے
مل گئی راہ اور پیغمبر ملے

کلفتیں کیا کیا اٹھائیں زیست میں
جو ملے ظالم جفا پرور ملے

دن کٹے افکار میں شب کو مگر
اک حسیں سے خواب میں اکثر ملے

کہدیا لبیک آئی جب اجل
ہر ملک بن کے کرم گستر ملے

کیا عجب کوئی کہے جو بعد مرگ
حق سے یہ یوں خاک میں مل کر ملے[51] —(۱۳۵۰ سنہ ھج)

---

[51] -(نوٹ) لیکن اگر مصرعۂ تاریخ اس طرح بن جائے—حق سے وہ یوں خاک میں مل کر ملے—(۱۳۴۶ سنہ ف) تو ہجری کے بجائے فصلی تاریخ بن جائے گی۔ آہؔ۔

رباعيات

(۲۹)

خمریات

مدت سے ہے تجھ پر بدگمانی ساقی
مستوں سے ہے بے جا لن ترانی ساقی

صدقے میں جوانی کے کرم ہو تیرا
دے دے کوئی جام ارغوانی ساقی[52]

بدلی ہے فضائے آسمانی ساقی
ہر نخل کی ہے پوشاک دہانی ساقی

گل جام بکف ہیں اور نشیلی آنکھیں
لٹ جائے نہ توبہ کی جوانی ساقی

پر کیف ہے سنتا جا کہانی ساقی
مستی میں کٹی ہے زندگانی ساقی

---

[52] -جام ارغوانی: سرخ اور نارنجی رنگ کا جام، پیالہ، گلاس۔

بھر بھر کے دیئے جا جام گلگوں مجھ کو[53]

کم ہو تو ملادے تھوڑا پانی ساقی

مشکل ہے ہماری زندگانی ساقی

الفت میں مٹی سب لن ترانی ساقی

آنکھوں میں جو آنسو ہیں تو دل میں ہے تپش

ہوتی ہے جوانی آگ پانی ساقی

بادل کی گرج ہے زندگانی ساقی

بجلی کی چمک ہے نوجوانی ساقی

لمحے ہیں یہی پینے پلانے کے چند

لا جلد شراب شادمانی ساقی

یہ بھی ہے کوئی اچھی نشانی ساقی

آنکھوں میں نہ ہو رنگ ارغوانی ساقی

---

53 ۔گلگوں: گلاب کی طرح سرخ رنگ کا۔

عاشق کو پلانی تھی شراب مستی
غیروں میں لٹادی کیوں جوانی ساقی

برباد نہ کر تو زندگانی ساقی
ہو نزع میں کچھ تو مہربانی ساقی

زمزم کی طرح مجھ کو پلادے دو گھونٹ
بوتل میں جو ہے وہ لال پانی ساقی

مل جائے جو حور آسمانی ساقی
پیری میں ہو لطف نوجوانی ساقی

مستی میں شراب شوق مل جائے اگر
چلتا رہے جام ارغوانی ساقی

(۳۰)

آنکھوں کا ہماری کوئی نقشہ دیکھے
پھوٹے ہوئے چشموں کا تماشا دیکھے

موجوں کے تھپیڑوں سے جو پا جائے
بہتا ہوا صحرا میں وہ دریا دیکھے

بیمار کا تیرے کوئی جینا دیکھے
خوں نابۂ دل ہر وقت پینا دیکھے
امید وصال اور نزع کا عالم آہ
انگشت بدنداں ہو جو بینا دیکھے

ساقی کی جو آنکھوں کا کرشما دیکھے
چلتے ہوئے جادو کا تماشا دیکھے
مستی میں چھلک جائے جو ساغر کوئی
ہر قطرہ میں عرفان کا دریا دیکھے

کس طرح کہوں فخر زمانہ ہوں میں
مجموعۂ فن دیکھو یگانہ ہوں میں
یہ بھی ہے کمالوں کی مرے پختہ دلیل
افلاک کے تیروں کا نشانہ ہوں میں

کیونکر نہ کہوں غربت وطن ہے اے آہ
جب اہل وطن کو سوئے ظن ہے اے آہ
کانٹے کی طرح مجھ کو نکالا صد حیف
اعداء کو مبارک یہ چمن ہے اے آہ

(۳۱)

عاقل نہ خرد مند نہ فرزانہ ہے[54]
ہر شمع جمال کا جو پروانہ ہے
کس طرح سے سمجھائیں دل وحشی کو
میخانۂ الفت کا یہ دیوانہ ہے

خوش بخت ہے جو عقل سے بیگانہ ہے
پہلو میں مرے ہاتھ میں پیمانہ ہے
اس دور میں عاقل کو سکوں کیوں کر ہو
گردش میں ہے تسبیح کا جو دانہ ہے

----

54 ۔فرزانہ: عقلمند، دانا۔

جو داغ دکھائے اسے داغ سمجھو
رخسار پہ خط آئے تو باغ سمجھو

ہر بات کا انجام اگر سوچو تم
پروانۂ رخ کو بس چراغ سمجھو

جس روز طبیعت مری بیکل ہو گی
بس سامنے رکھے ہوئی بوتل ہو گی

اس سے بھی اگر دل کو نہ ہو گی تسکیں
پہلو میں میرے ہاتھ میں کوپل ہو گی

----

(۳۲)

ق

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
علم و فن میں یگانہ ہیں ہم لوگ

چٹکیوں میں اڑادیں دشمن کو
توپ کے پیش دہانہ ہیں ہم لوگ

غزلیات

(۳۳)

جلوہ کا تیرے خاص مکاں ہو نہیں سکتا

جلوہ کا تیرے خاص مکاں ہو نہیں سکتا
کعبہ میں، کلیسا میں، کہاں ہو نہیں سکتا

راز دل بیتاب نہاں ہو نہیں سکتا
ہمدرد اگر ضبط فغاں ہو نہیں سکتا

واعظ کو کبھی عشق بتاں ہو نہیں سکتا
پتھر پہ کوئی رنگ عیاں ہو نہیں سکتا

پوچھا تھا کہ ملنا مری جاں ہو نہیں سکتا
شرما کے یہ فرمایا کہ ہاں ہو نہیں سکتا

نالہ نہ کریں ہجر میں انصاف سے کہدو
بیمار سے جب ضبط فغاں ہو نہیں سکتا

پہلو میں نہ آؤ تو تمنا نہ کریں ہم
ہم سے تو یہ اے جان جہاں ہو نہیں سکتا

بسمل ہوا جاتا ہے مرا طائر دل کیوں
ابرو پہ تو قاتل کا گماں ہو نہیں سکتا

اس عشق تبہ کار سے دونوں ہوئے رسوا
الفت کا کبھی راز نہاں ہو نہیں سکتا

دود دل پر سوز سے جلتا ہے زمانہ
اے آہؔ ہمیں چین یہاں ہو نہیں سکتا

(۳۴)

دل کو میخانہ بنا۔

دل کو میخانہ بنا آنکھوں کو پیمانہ بنا[55]

پاکبازوں کو پلا کر رند مستانہ بنا

خلوت توحید میں تو سب کو بیگانہ بنا

پہلے تو خود شمع بن پھر اسکو پروانہ بنا

عشق میں مر کر مری مٹی ٹھکانے لگ گئی

حلقۂ تربت زیارت گاہ جانانہ بنا

جیتے جی حسرت نہ نکلی کچھ دل ناشاد کی

ہوگیا واصل بحق تو ان کا کاشانہ بنا[56]

حسن والوں کی شکایت یہ تو میرا منہ نہیں

جب انہیں کے بادۂ الفت سے دیوانہ بنا

---

[55] ۔یہ مصرعہ حضرت آہؔ کی ڈائری میں ایک دوسری طرح بھی منقول ہے:

ظرف جب لبریز ہو جائے تو خمخانہ بنا

[56] ۔حضرت آہؔ کی ڈائری میں یہ شعر اس طرح بھی نقل کیا گیاہے:

جیتے جی حسرت نکلتی یہ کہاں تقدیر تھی ؎

بعد مرنے کے کفن کا جوڑا شاہانہ بنا

بعد مرنے کے بھی قسمت میں مری گردش رہی
خم بنا، ساغر بنا ، آخر کو پیمانہ بنا [57]

دولہا دولہن میں محبت اس قدر ہے ان دنوں
گویا دیوانی بنی ہے اور دیوانہ بنا

اپنے شوہر کو کہاں لیکر چلی ہے وہ حسیں
دور کوہ قاف پر کوئی نیا خانہ بنا[58]

کیوں بھٹکتے پھر رہے ہو دربدر اے آہ تم [59]
کچھ تو سوچو کیوں دل آباد ویرانہ بنا[60]

---

57 - خم: شراب کا مٹکا۔

58 - کوہ قاف: ایک پہاڑ جو ایشیائے کوچک کے شمال میں واقع ہے، اردو میں اس کا استعمال ایسے مقام کے لئے ہوتا ہے جہاں آدمی کا گذر نہ ہوسکے، نہایت دشوار گذار اور سنسان علاقہ۔

59 - حضرت آہ کی ڈائری میں یہ مصرعہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اس طرح بھی موجود ہے:

آہ کس کی جستجو ہے، کیوں ہوئے خانہ خراب

60 - اس غزل کے تحت اور بھی کئی اشعار تھے جن کو صاحب کلام نے خود قلمزد کر دیا ہے اس لئے ان اشعار کو شامل نہیں کیا گیا۔

(۳۵)

عجب وہ دن تھے

(تاریخ رقم:۱۸/اگست ۱۹۳۸ء)

عجب وہ دن تھے عجب لطف کا زمانہ تھا
چمن میں گل تھے گلوں میں مرا فسانہ تھا

کسی کے حسن کا چرچا جو غائبانہ تھا
تو میرے عشق پہ حیرت زدہ زمانہ تھا

خدا ہی جانے کہ کیا ذکر غائبانہ تھا
کہ بحر فکر میں ڈوبا ہوا زمانہ تھا

چمن میں گل تھے نہ بلبل کا آشیانہ تھا
قفس سے چھوٹے تو بدلا ہوا زمانہ تھا

جکڑلو زلف گرہ گیر میں بتو! دل کو
سیاہ بخت کا ہر فعل مشرکانہ تھا

یہی طریق محبت ہے کیا زمانے میں
ہوا ہر ایک الگ جس سے دوستانہ تھا

ہجوم یاس والم نے کیا ہے دیوانہ
نہیں تو سر تھا مرا تیرا آستانہ تھا

بلایا خفیہ ہمیں بزم راز میں اپنی
قسم بکعبۂ رب موت کا بہانہ تھا

نگاہ جس پہ پڑی ہو گیا وہ متوالا
نظر کے بھیس میں گویا شراب خانہ تھا

بتوں سے دل نہ لگاتا تو کوئی کیا کرتا
جنون عشق میں اس کا کہاں ٹھکانہ تھا

جگر کے ٹکڑے اڑے دل بھی پاش پاش ہوا
تمہارے تیر نظر کا غضب نشانہ تھا[61]

یہی تھی خیر کی صورت دل حزیں کے لئے
جہاں میں سب سے کنارے ترا یگانہ تھا

تمہارے جور کے صدقے نہ جاتے غیر کے گھر
کرم جو کرنا تھا حاضر غریب خانہ تھا

جناب شیخ کے بھی منہ لگی ہے بنت عنب[62]
ہر اک پہ بند ہوا جو شراب خانہ تھا

کتاب عشق کے جس جس ورق کو دیکھا آہ
لہو کے بوند سے لکھا ہوا فسانہ تھا

---

61 -بیاض میں یہ مصرعہ اس طرح بھی موجود ہے: ع مرا ہی سینہ ترے تیر کا نشانہ تھا

62 -بنت عنب: انگوری شراب

(۳۶)

عجب آگ دل میں لگا کر چلا

اُدھر کوئی صورت دکھا کر چلا
اِدھر دل پہ بجلی گرا کر چلا

سراپا وہ شعلہ بنا کر چلا
عجب آگ دل میں لگا کر چلا

قیامت کی چالیں چلیں قبر پر
مٹایا بھی اور پھر جلا کر چلا

یہاں تک اسے مجھ سے ہے اجتناب
کہ تربت سے دامن بچا کر چلا

لحد میں وہ نقشہ ہے پیش نظر
جو دنیا کو رستہ بتا کر چلا

جو دینا ہے مولیٰ تو دے دے مجھے
گدا تیرے در کا دعا کر چلا

فدا جان کر دی ترے حکم پر
کہ جیسے شہ کربلا کر چلا

ہوئی بزم ساقی کی سنسان آہ

کوئی مست جب پی پلا کر چلا

(۳۷)

بہک کر بھی نہیں کہتے کبھی کچھ راز ساقی کا

شراب معرفت پی کر بنا دمساز ساقی کا[63]

گھٹے اغیار نظروں میں بڑھا اعزاز ساقی کا

تلاش جام وساغر نے کیا ہمراز ساقی کا

نہیں تو ہم کہاں اور نت نیا انداز ساقی کا

سر محفل ہوا ہے جب عدو ہمراز ساقی کا

کسی کو کیا پڑی ہے جو اٹھائے ناز ساقی کا

فنا کا جام پی کر ایک دن سب ہونگے متوالے

رہے گا میکدہ میں تا بکے اعجاز ساقی کا

بچی ہوگی بھلا کب شیخ سے بنت عنب کوئی

رہا ہے مدتوں تک تاک میں ہمراز ساقی کا

---

63 -دمساز: دوست، راز دار۔

حوالے کر دیا دل کو چھپا کر کاسۂ سر میں[64]
کبھی بڑھتا ہوا دیکھا جو دست آز ساقی کا[65]

جوانی لٹ گئی سونی پڑی ہے زیست کی محفل
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ مے ہے نہ دست ناز ساقی کا

ہوئیں مخمور آنکھیں یا ملے ہیں جام جم مجھ کو[66]
انہی دونوں پیالوں میں کھلا ہے راز ساقی کا

جوانی کا نشہ مستانہ چالیں ہاتھ میں ساغر
رہا محفل میں شب بھر کچھ عجب انداز ساقی کا

چھپا تا نشۂ الفت مگر آنسو نکل آئے
سر شک چشم میرا ہو گیا غماز ساقی کا[67]

یہ کیسے مست ہیں مستی میں بھی ہشیار رہتے ہیں
بہک کر بھی نہیں کہتے کبھی کچھ راز ساقی کا

زمیں کیا آسمان کیا لامکاں تک دیکھ آئیں گے
اڑا کر لے چلے گا جب ہمیں اعجاز ساقی کا

---

64 ۔کاسۂ سر: سر کا پیالہ، کھوپڑی۔

65 ۔دست آز: لالچ کا ہاتھ۔

66 ۔جام جم: وہ روایتی پیالہ جس میں جمشید تمام حالات کا عکس دیکھ لیتا تھا۔

67 ۔سر شک چشم: آنکھ کے آنسو۔

ملے سب خاک میں ارماں مٹی اے آہ یوں محفل
نہ وہ مے ہے نہ میکش ہیں نہ سوز و ساز ساقی کا

نہ وہ مے ہے نہ مینا ہے نہ ساغر ہے نہ شیشہ ہے [68]
رہے گا میکدہ میں آہ کس پر ناز ساقی کا

68 ۔* مینا: شراب کا بوتل، صراحی۔ ☆ساغر: جام۔

(۳۸)

کچھ پتہ راہ کا نہ منزل کا

یہ اشارہ ہے چشم قاتل کا
پھر تماشا ہو رقص بسمل کا[69]

ہے یہ انجام حرص باطل کا
آج رونا پڑا ہمیں دل کا

جان لیوا ہے مدعا دل کا
دل ہے احساں شناش قاتل کا

غم دشمن میں جب کوئی بِلکا
جام لبریز ہوگیا دل کا

یہ تقاضا ہے دیدۂ و دل کا
نہ رہے فرق بحر و ساحل کا

طالب دید کو نہ جھڑکیں اب
رد نہ کیجے سوال سائل کا

69 ۔ رقص بسمل: ذبح کئے ہوئے جانور کا تڑپنا پھڑکنا،

کیا کریں چاہ ہم حسینوں کی
ہِل چکے دانت بال بھی تِلکا

ہم ازل سے ستم نواز رہے
جور بے حد شعار قاتل کا

تل سے نکھری صباحت حسن اور[70]
حال ضد سے کھلا مقابل کا

عشق نے مجھ کو دق کیا کیا کیا
خون تھوکا مرض ہوا سِل کا

زلف پر خم میں دل نہ الجھانا
ہے یہ سودا خیال باطل کا

نالہ روکا تو اشک امنڈ آئے
اشک روکا تو شور اٹھا دل کا

وعدۂ وصل لے لیا ان سے
کر لیا کام تھا جو مشکل کا

کس کی آمد کے منتظر ہو تم
کیوں نرالا ہے رنگ محفل کا

---

70 ۔صباحت: نکھار گوراپن۔

دام گیسو کی قید خوب ہوئی
اک ٹھکانہ تو ہو گیا دل کا

خوں کی ندیاں بہیں دل سے
چل گیا وار چشم قاتل کا

منزل عشق پر خطر ہے دیکھے تھے
لٹ نہ جائے یہ قافلہ دل کا

نالہ کیسا ہے اور فغاں کیسی
کچھ کہو بھی تو ماجرا دل کا

جام توحید پی کے ہوں سرشار
مٹ گیا فرق حق و باطل کا

خوب کنویں جھکائے الفت
ہم ہیں اور نقشہ چاہ بابل کا[71]

دیکھتے ہی مجھے بگڑتے ہو
سن تو لو مدعا مرے دل کا

تیر و پیکاں جو ہیں مرے مہماں[72]
ہیں تواضع کو ابلہ دل کا[73]

---

71 -چاہ بابل: شہر بابل کا ایک کنواں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ہاروت ماروت دونوں فرشتے وہاں قید ہیں۔

72 -پیکاں: نیزے کی نوک۔

دردو غم جزو ہیں حقیقت کے

غیر ممکن ہے فصل داخل کا[74]

جل بجھی آہ آرزو میری

ہو گیا خاک حوصلہ دل کا

73 -ابلہ: نادان۔

74- یعنی کسی شے کو اس کی حقیقت سے جدا کرنا ممکن نہیں۔

(۳۹)

خالی یہ گھر پڑا تھا پرستان ہو گیا

آئے نظر کے سامنے احسان ہو گیا
دل میں اگر سما گئے ایمان ہو گیا

کس کو خبر ہے کس کا وہ مہمان ہو گیا
دیر و حرم میں ڈھونڈ کے حیران ہو گیا

پوچھوں گا حشر میں ستم ناروا کو میں
تیرا جو سامنا کہیں اے جان ہو گیا

دیکھی جھلک جو خواب میں ایک سرو ناز کی
عالم مری نگاہ میں سنسان ہو گیا

روز فراق گھر سے نکلتا نہیں مرے
عاشق کے دل کا یہ بھی کیا ارمان ہو گیا

دل کا لہو نکل پڑا آنکھوں کی راہ سے
فصاد زخم دل ترا پیکان ہو گیا[75]

---

75 - ☆فصاد: رگوں پر نشتر چلانے والا، جراح☆ پیکان: نیزے کی نوک، برچھی یا بھالے کی انی۔

تصویر کھینچ لی ہے رخ دل پسند کی
سیپارۂ دل آج سے قرآن ہو گیا

رازونیاز عشق سے واقف نہیں ہیں دوست
جس کو سنایا حال وہ حیران ہو گیا

دھبے ہمارے خون کے دامن پہ رہ گئے
الزام قتل سے وہ پریشان ہو گیا

جو انتہاء عشق تھی مجھ کو ہوئی نصیب
یعنی ہزار جان سے قربان ہو گیا

اَن بَن ہوئی عدو سے تو مجھ سے وہ مل گئے
اللہ کی طرف سے یہ سامان ہو گیا

اچھی سے اچھی صورتیں اب دل میں رہتی ہیں
خالی یہ گھر پڑا تھا، پرستان ہو گیا[76]

آئے اگر وہ پاس تو تسکین ہو گئی
جانے لگے تو قلب کو ہیجان ہو گیا

غصہ میں رخ پہ زلف کسی کی بکھر گئی
میرے سبب سے کوئی پریشان ہو گیا

---

[76] -پرستان: پریوں کا ملک، پریوں کے رہنے کی جگہ۔

آنچل ہٹا ہے وصل میں رخ سے زہے نصیب
شاید وفا کے عہد کا قران ہو گیا

رکتے نہیں ہیں نالے دل ناصبور کے [77]
تھمتا نہیں جو اشکوں کا طوفان ہو گیا

بچپن کے بعد آہ چُراتے نہ آنکھ وہ
لیکن شباب آ کے نگہبان ہو گیا

[77] -ناصبور: بے صبر، بے قرار، مضطرب۔

(۴۰)

نگاہوں کا ملنا غضب ہو گیا

اُدھر کوئی رخصت طلب ہو گیا
اِدھر آہ میں جاں بلب ہو گیا

الٰہی یہ کیسا غضب ہو گیا
وہ مجھ سے خفا بے سبب ہو گیا

بکھر آئیں زلفیں جو رخسار پر
گہن لگ گیا، روز شب ہو گیا

رہا چین سے دل ترے ہاتھ میں
یہ وحشی بہت با ادب ہو گیا

نہ پوچھو مرے زہد و تقویٰ کا حال
یہ سب نذر بنت عنب ہو گیا

سیہ کار ہوتا ہے پِس کر عزیز
رہا آنکھ میں سرمہ جب ہو گیا

مرا دل چرا کر وہ کہنے لگے
کہاں گم ہوا اور کب ہو گیا

کہا کان میں میں نے ان سے جو کچھ
کہا ہنس کے "تو بے ادب ہو گیا

ادا نے کیا ذبح ارمان کو بھی
شب وصل میں جاں بلب ہو گیا

قیامت کا صدمہ جگر ریش ریش[78]
فقط دل لگا کر یہ سب ہو گیا

مرا دل ترے تیر دونوں ہیں خوش
ہر اک کو ہر اک منتخب ہو گیا

ہوا وصل قسمت سے بعد وصال
گزر ان کا مدفن پہ جب ہو گیا

پڑھی حضرت آہؔ نے وہ غزل
کہ تحسیں سے شور و شغب ہو گیا

---

78 ۔ریش: زخم، زخمی کرنے والا، اردو میں اس کا استعمال صرف مرکبات میں ہوتا ہے۔

(۴۱)

وار کرکے میرا قاتل تھک گیا

وہ اُدھر دیتا ہوا چشمک گیا[79]

پیچھے پیچھے یہ دل زیرک گیا

وار کر کے میرا قاتل تھک گیا

خود بخود سر اس کے قدموں تک گیا

بھیس میں دشمن کے ہم ان سے ملے

جھک گئے وہ بھی عدو بھی جھک گیا

کون جانے کس نے الٹی تھی نقاب

ہاں مگر ان کا ہمیں پر شک گیا

لٹ لٹا کر آرہا ہوں بزم سے

مال کیا پہلو سے تو دل تک گیا

کہہ رہی ہے یہ اداسی رنگ کی

دشمنوں میں رات وہ بیشک گیا

---

79 -چشمک: رنجش، مخالفت، آنکھ مارنا۔

پردہ داری عشق کی آساں نہیں
ضبط سوزش سے کلیجہ پک گیا

کون سمجھا وصل کیا ہے ہجر کیا
بیخودی میں آہ سب کچھ بک گیا

(۴۲)

......وطن چھوٹ گیا

مرنے والے سے ترے ہائے وطن چھوٹ گیا
کس مپرسی میں اٹھی لاش- کفن چھوٹ گیا

وقت شانہ جو گرا غنچۂ دل چوٹی سے[80]
زلف بل کھانے لگی سانپ کا من چھوٹ گیا[81]

طالب ہجر کو کیا کوئی کرے گا ناکام
یہ ستم تجھ سے بھی اے چرخ کہن چھوٹ گیا[82]

روز جاتے تھے تری بزم میں لے کے امید
ناامیدی ہوئی رہبر- وہ چلن چھوٹ گیا

جیتے جی حسرت وارماں نے نہ چھوڑا دامن
مل گئے خاک میں ہر رنج و محن چھوٹ گیا[83]

---

80 -شانہ: کنگھی۔

81 -سانپ کا من: سانپ کا مہرہ، سانپ کا منکا جس کی بابت مشہور ہے کہ اندھیری رات میں سانپ اسے اگل کر اس کی روشنی میں گھومتا پھرتا ہے اور جس کے ہاتھ لگ جائے اسے خوشحال بنادیتا ہے۔

82 -چرخ کہن: بوڑھا آسمان۔

83 - محن: تکلیفیں، بلائیں۔

چمن حسن کے بلبل تھے ازل سے ہم آہ
جور صیاد سے آخر وہ چمن چھوٹ گیا[84]

ق

آہ محرومی قسمت سے وطن چھوٹ گیا
دوست سب چھوٹ گئے رشتہ ہر ایک ٹوٹ گیا

---

84 -☆جور: ظلم ☆صیاد: شکاری۔

(۴۳)

یہ کس نے تھام کے دل سوئے آسماں دیکھا

بہت سے ماہ وشوں کو جہاں تہاں دیکھا
ترستی آنکھ نے لیکن وہ پی۔کہاں دیکھا[85]

کھلی جو آنکھ تو عالم کا یہ سماں دیکھا
زمیں سے تا بفلک حسن جان جاں دیکھا

بدن کو چین نہ دل ہی کو شادماں دیکھا
ہجوم درد میں کیا کیا نہ الاماں دیکھا

ہزار ظلم سہے لب پہ اف نہ لائے ہم
ہمارا حوصلہ بھی تم نے جان جاں دیکھا

دل و جگر کو الگ رکھ دیا تری خاطر
کبھی نہ جاتے ہوئے گھر میں میہماں دیکھا

حجاب حسن میں چھپ کے بنالیا مشتاق
ہوائے دید میں ہر پیر کو جواں دیکھا[86]

---

85 -پی: پیارا، معشوق۔

86 -ہوائے دید: دیکھنے کی تمنا۔

شب فراق نہ آرام سے بسر کرتی
تمہارے عاشق گمنام کا نشاں دیکھا

پھری نگاہ جو ظالم کی کارگر ہو کے
ہجوم یاس میں بسمل کو نیم جاں دیکھا

کمال درد کی لذت کا یہ کرشمہ ہے
ہزار رنج میں بھی دل کو شادماں دیکھا

لگا کے تیر نمک پاشیاں جو کیں دل پر
دہان زخم کو لذت سے تر زباں دیکھا

سمجھ میں آگئی ناکامی مقدر بھی
شب فراق جو نالوں کو رائگاں دیکھا

غریق لجۂ آفت ہے عمر کی کشتی[87]
ہمیشہ باد مخالف میں بادباں دیکھا[88]

ہوائے وصل میں اے آہ دل بھی کھو بیٹھے
متاع شوق کے ہر سود میں زیاں دیکھا[89]

---

87 -لجہ: دریا، بھنور، منجدھار☆لجۂ آفت: سخت مصیبت۔

88 -باد مخالف: طوفان، آندھی☆بادباں: مستول، وہ کپڑا جو کشتی کی رفتار تیز کرنے اور اس کا رخ موڑنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

89 -☆سود: نفع☆زیاں: نقصان۔

(۴۴)

دیکھنا پھر جو سرِ حشر تماشا ہو گا

جب لبِ بام مرا انجمن آراء ہو گا[90]
کوئی بے ہوش کوئی محوِ تماشا ہو گا

جس گھڑی دل میں خیالِ رخِ زیبا ہو گا
خود بخود سامنے وہ چاند سا چہرا ہو گا

تیغِ ابرو پہ ترے قتل کا دعوا ہو گا
اور گواہی کو یہی خون کا دھبا ہو گا

آپ ہونگے وہ عدو ہو گا یہ بندہ ہو گا
دیکھنا پھر جو سرِ حشر تماشا ہو گا

کیا قیامت ہے کہ دشمن سے ملا کرتے ہو
ہم بلائیں تو فقط وعدۂ فردا ہو گا

کوئی کیا جانے عدو سے ہیں مراسم کیا کیا
ہاں مگر راہ میں ملتے ہوئے دیکھا ہو گا

---

90 ۔لبِ بام: محل یا چھت کا کنارہ۔

کھینچ لیں گے تری تصویر تصور میں ہم
دل پہ نقشہ ہمہ دم حسن ازل کا ہو گا

فطرتی حسن پھر اس پر سے جوانی کی نکھار
بن سنور جاؤ تو سونے پہ سہاگا ہو گا[91]

حشر کہتے ہیں کسے، ہول قیامت کیا ہے[92]
وہ تو اک فتنۂ قامت کا سراپا ہو گا

ہچکچاتے ہوئے سہمے ہوئے آئے ہیں وہ
بات مطلب کی سنیں گے تو اچنبھا ہو گا

چیر کر پھینک نہ دو آہؔ دل وحشی کو
نہ یہ ہو گا نہ کسی زلف کا سودا ہو گا

(تاریخ تحریر: ۲۳ ستمبر ۳۷ سنہ ء)

---

91 - بیاض آہؔ کے حاشیہ میں ثمرؔ کے تخلص کے ساتھ یہ شعر اس طرح ہے: ایک دن ہی مری خاطر سے سنور کر دیکھو
حسن بڑھ جائے گا سونے پہ سہاگا ہو گا

☆ سونے پر سہاگا: ایک مثل ہے، یعنی نفع پر نفع، خوبی پر خوبی، بہتری پر بہتری۔

92 - ہول: خوف۔ دہشت۔

(۴۵)

کوچۂ یار سے شور نکلا دیکھا

آتشیں رخ پہ ترے تل کا ٹھکانہ دیکھا[93]
قائم النار پہ بارود کا دانہ دیکھا[94]

دل پہ دزدیدہ نگاہوں کی عنایت دیکھی
طرفۃ العین میں پہلو سے روانہ دیکھا[95]

اے جنوں تیری بدولت تو ہوئی سیر نصیب
دائمی رنج و الم دیکھا زمانہ دیکھا

اٹھ گیا آنکھ سے جس دم من و تو کا پردہ
اپنے بیگانے کو بھی ہم نے یگانہ دیکھا

قیدی زلف غم ہجر سے آزاد کہاں
رنج سودائے محبت میں شبانہ دیکھا[96]

---

93 - آتشیں رخ: آگ کی طرح دہکتا رخسار ☆ تل: خال، سیاہ نقطہ، کاجل کا نقطہ، وہ نقطہ جہاں سورج کی کرنیں آتشی شیشے میں سے گذر کر جمع ہوتی ہیں۔

94 - قائم النار: آگ پر ٹھہرنے والا۔

95 - طرفۃ العین: پلک جھپکتے، ذرا سی دیر میں، آن کی آن میں۔

96 - شبانہ: رات کے وقت۔

کب بھلا شوق ستم تجھ کو مری جاں نہ رہا
کب ترے تیر کا دل کو نہ نشانہ دیکھا

دل ترے حسن پہ قرباں تو جگر تجھ پہ نثار
جان سے تجھ پہ فدا سارا زمانہ دیکھا

امتحاں جب کبھی عاشق کا کیا قاتل نے
سرخ رو ہم ہوئے جوڑا بھی شہانہ دیکھا

ہے جو رفتار قیامت تو غضب ہیں تیور
دل کو پامال تو سینہ کو نشانہ دیکھا

بیڑیاں پاؤں میں زلفوں کی پڑی ہیں جب سے
کوچۂ یار سے دشوار نکلنا دیکھا

گردش چرخ سے اے آہ کہاں چین نصیب
ہر گھڑی دور میں تسبیح کا دانہ دیکھا

پ

(۴۶)

دل جگر کیا چاہئے فرمائیں آپ

کیا ستم ہے غیر پہ مٹ جائیں آپ
مر مٹوں کو ٹھوکریں کھلوائیں آپ

میرا شکوہ کیوں زباں پر لائیں آپ
روبرو غیروں کے کچھ کہلائیں آپ

ہے حباب آسا ہماری زندگی[97]
دشمنوں میں شوق سے مل جائیں آپ

بے وفائی کس نے کی کس نے وفا
خود ہی اس کا فیصلہ فرمائیں آپ

ابر رحمت ہے ہمارے واسطے
جس قدر تیر ستم برسائیں آپ

---

97 -حباب آسا: پانی کے بلبلے کی طرح ناپائدار۔

کیا زمانہ ہو گیا ہے منقلب[98]
بے وفا کو باوفا ٹھہرائیں آپ

رشک موسیٰ میں بنوں گھر رشک طور
میرے گھر جلوہ اگر فرمائیں آپ

بے خودی نے کھو دیا سارا وقار
ورنہ مجھ سے اور قسم کھلوائیں آپ

کوئی ارماں خاک نکلے وصل میں
جب حیا کو ساتھ لیکر آئیں آپ

دونوں عالم ہوں تہ وبالا ابھی
حسن بے پردہ اگر دکھلائیں آپ

رات دن سینہ سپر رہتا ہوں میں
مشق ناوک افگنی فرمائیں آپ

آپ ہیں لطف بہار زندگی
عاشقوں پر جب کرم فرمائیں آپ

داغ دل کی دیکھنی ہو گر بہار
خانۂ دل میں مرے آجائیں آپ

---

98 ۔منقلب: الٹنے والا، الٹا ہوا۔

خونِ ناحق رنگ لائے گا ضرور
پیکرِ دل کو حنا بنوائیں آپ

بعد مرنے کے تو کچھ آنسو بچھے
شبنمی چادر اڑھاتے جائیں آپ

غیر نے پٹی پڑھائی آپ کو
ورنہ اپنے قول سے پھر جائیں آپ

روح روحی جان قلبی آپ ہیں
آپ ہی ہیں داہنے اور بائیں آپ

کون سی مشکل ہے جو آساں نہو
ہجر کی شب آہ کیوں گھبرائیں آپ

ت

(۴۷)

غم ہے الم ہے آہ سحر ہے برائے دوست

کہتا ہے درد عشق کہ سر ہے برائے دوست
دل ہے برائے دوست جگر ہے برائے دوست

وعدہ ہوا ہے دید کا ان سے جو حشر میں
وا چشم شوق آٹھوں پہر ہے برائے دوست

بے وجہ ہم نہ آئے نہ بے وجہ ہم چلے
کرتے ہیں جو سفر وہ سفر ہے برائے دوست

جچتا ہے وہ نگاہ میں اور ہوتا ہے عزیز
جو جھیلتا خوف و خطر ہے برائے دوست

المختصر یہ حال ہے خانہ خراب کا
غم ہے الم ہے آہِ سحر ہے برائے دوست

احباب ہم سے چھٹنے کا ہرگز نہ غم کریں
در پیش اب تو ہم کو سفر ہے برائے دوست

دیتے نہیں ہیں جان کسی پر بھی آہ ہم
رکھتے ہیں ہم عزیز مگر ہے برائے دوست

(۴۸)

اک بت خرد سال کی صورت

آہ آشفتہ حال کی صورت
ہے سراپا ملال کی صورت[99]

دل پہ بیٹھی ہے خال کی صورت
عرش پر ہے ہلال کی صورت

ان کے جب جب خیال کی صورت
دل نے چاہی وصال کی صورت

ہجر میں خط و خال کی صورت
ہو رہی ہے وبال کی صورت

جان پر کھیل کے اسے پایا
تھی یہی انتثال کی صورت

زہد و تقویٰ ہوا ہوا میرا
دیکھ کر اک چھنال کی صورت[100]

---

99 - آشفتہ حال: پریشان حال، خستہ حال۔

100 - چھنال: فاحشہ عورت، چالاک، عیار، بے حیا۔

اک سر مو نہیں ہے فرق اس میں
چوٹیاں ہیں وبال کی صورت

آسماں نے جو پیس رکھا ہے
شش جہت ہے وبال کی صورت

چشم وابرو کو ہم سمجھتے ہیں
کشتی مے ہلال کی صورت

یہ نہ پوچھو کہ مدعا کیا ہے
ہوں سراپا سوال کی صورت

کیوں تمنا کریں ہم ان سے کچھ
نہ رہی جب وصال کی صورت

بے کفن لاش پھینک دی میری
مجھ کو سمجھا اگال کی صورت[101]

محو حیرت ہیں دیکھنے والے
خالق ذوالجلال کی صورت

ضبط الفت میں دیکھتے ہیں آہ
رنج بے حد ملال کی صورت

---

101 -اگال: پان کی پیک، اگلی ہوئی چیز۔

(۴۹)

نظر جو آتی ہے فصل بہار کی صورت

کسی کی یاد میں وہ اختیار کی صورت
مدام جس سے رہے وصل یار کی صورت

چڑھا ہے عشق جو سر پر بخار کی صورت
چھپی ہے آگ بدن میں چنار کی صورت[102]

جو سختیوں میں چھپی وصل یار کی صورت
مری نظر میں خزاں ہے بہار کی صورت

جمال یار نے سکہ جمالیا جب سے
رہی نہ دل پہ کوئی اختیار کی صورت

مجھے جو دفن کیا رکھ کے دل کو سینے میں
بنی مزار میں اک اور مزار کی صورت

خوشا نصیب کہ بعد فنا ہوا پابوس
ترے قدم سے ملا میں غبار کی صورت

---

[102] - چنار: ایک بے ثمر درخت جس کی پتیاں انسان کے پنجے کی طرح ہوتی ہیں، کشمیر میں یہ درخت بکثرت پایا جاتا ہے۔

تمہارے عہد پہ کس طرح سے یقیں آئے
مٹا چکے ہو خود ہی اعتبار کی صورت

کسی کی زلف سیہ کا کیا جو نظارا
تمام شب پھری آنکھوں میں مار کی صورت

ہماری آبلہ پائی کو پوچھتے کیا ہو
غبار چبھتے ہیں اب نوک خار کی صورت

ہوائے سیر چمن ہے تو دل میں آبیٹھو
بنا ہوا ہے یہ اک لالہ زار کی صورت

ملادے خاک میں مجھ کو مگر یہ یاد رہے
رہوں گا تیری گلی میں غبار کی صورت

ہوا ہو ابر ہو ساقی ہو جام ہو مے ہو
بہار جب ہے کہ یوں ہو بہار کی صورت

تری نگاہ کا جادو جو چل گیا مجھ پر
رہی نہ ضبط کی قدرت قرار کی صورت

مدد کا وقت ہے اے بے کسی محبت کی
نہ دل ہے پاس نہ صبر و قرار کی صورت

کسی کی حسرت دیدار کا اشارہ ہے
کھڑا رہوں ہمہ تن انتظار کی صورت

نہ تم سے چھٹتے نہ ہم ہجر آشنا ہوتے
نہ حال ہوتا غریب الدیار کی صورت

رہیں گے محو تماشا پس فنا اے آہ
نظر جب آئے گی پروردگار کی صورت

ٹ

(۵۰)

ہم تمہیں سے پوچھتے ہیں یہ خبر سچ ہے کہ جھوٹ

میرے پہلو سے گئے دشمن کے گھر سچ ہے کہ جھوٹ
غیر کی خاطر رہی مد نظر سچ ہے کہ جھوٹ

یہ جو پائی ہے خبر اے نامہ بر سچ ہے کہ جھوٹ
وہ ستمگر آگیا ہے راہ پر سچ ہے کہ جھوٹ

بے حجابانہ تم آئے بام پر سچ ہے کہ جھوٹ
حسن سے عالم ہوا زیر و زبر سچ ہے کہ جھوٹ

کہہ رہے ہیں خط عنادل کیا کریں گے سیر گل[103]
باغیوں کا پہرہ ہے گلزار پر سچ ہے کہ جھوٹ

ناتوانی ، بعد منزل ، راہ کی گم گشتگی
ہیں یہ تینوں سدرہ اے ہم سفر سچ ہے کہ جھوٹ[104]

---

[103] ۔عنادل: عندلیب کی جمع، بلبلیں۔

[104] ۔سدرہ: راستہ کی رکاوٹ۔

پوچھتے ہیں نامہ بر سے ہم کو جھوٹا جان کر
جو لکھی ہے حالت زخم جگر سچ ہے کہ جھوٹ

بادۂ مستی کا آنکھوں میں بھرا ہے کیوں خمار
ہاں کہیں ڈھلتی رہی ہے رات بھر سچ ہے کہ جھوٹ

میری آنکھوں میں رہو گر دل میں آسکتے نہیں
یہ تو ہیں چودہ طبق کے دونوں گھر سچ ہے کہ جھوٹ[105]

زلف ناگن کو لگایا ہاتھ کس نے آپ کی
ایسے موذی کو کیا ہے ہم نے سر سچ ہے کہ جھوٹ

قوت برقی رگوں میں عشق نے ایسی بھری
تیرے عاشق اڑ کے پہونچے عرش پر سچ ہے کہ جھوٹ

ہم صفیرو! یوں تو ہیں ہر کام میں دشواریاں[106]
رسم الفت ہے مگر دشوار تر سچ ہے کہ جھوٹ

گر گیا شیشہ نظر سے پڑ گیا جب اس میں بال
جان دی کس نے خط رخسار پر سچ ہے کہ جھوٹ

---

105 ۔چودہ طبق: سات طبقے زمین کے اور سات طبقے آسمان کے۔

106 ۔ہم صفیر: دوست، ہمدم، ہم آواز۔

انقلاب دہر نے کھو دی وفا کی قدر سب
چاہتے ہیں یہ حسیں عاشق سے زر سچ ہے کہ جھوٹ
آہ پیری میں جوانی کے مزے کچھ یاد ہیں
گل رخوں میں عمر ہوتی تھی بسر سچ ہے کہ جھوٹ

دیگر

چشم و دل میں تھا ہمارا ہی گذر سچ ہے کہ جھوٹ
تھے ہمیں ہم آپ کو شام و سحر سچ ہے کہ جھوٹ
تھے جو تم کمسن تو اپنے چین سے کٹتے تھے دن
یہ جفا پہلے نہ تھی بیداد گر سچ ہے کہ جھوٹ
ذکر بھی میرا تھا لب پر دل میں میری یاد بھی
وصل کے پیغام بھی تھے بیشتر سچ ہے کہ جھوٹ
آپ کی محفل کی رونق ایک میری ذات تھی
بزم میں اغیار کا کب تھا گذر سچ ہے کہ جھوٹ
شوخیاں برق تجلی سے نہ تھیں کم آپ کی
یوں نہ مجھ سے لن ترانی تھی مگر سچ ہے کہ جھوٹ[107]

---

107 ۔لن ترانی: انانیت، تعلی، شیخی۔

گیسوؤ ورخ کا نظارا تھا میسر صبح و شام
رات دن تم ملتے تھے جی کھول کر سچ ہے کہ جھوٹ

چاند سی صورت تمہاری رہتی تھی پیش نظر
تھی نہ کوئی شب اندھیری میرے گھر سچ ہے کہ جھوٹ

آخرش بدلا زمانہ رنگ لایا آسمان
پھیر لی تم نے محبت کی نظر سچ ہے کہ جھوٹ

اب کہاں تم اور کہاں ہم وصل کی صورت کہاں
آہ و نالے ہو رہے ہیں بے اثر سچ ہے کہ جھوٹ

شاق تھی جس کی جدائی ہوں وہی ناکام آہ
ساتھ رہتے تھے تمھیں آٹھوں پہر سچ ہے کہ جھوٹ

ج

(۵۱)

اے فلک ہم دامن فریاد پھیلاتے ہیں آج

داغ دل زخم جگر کی سیر فرماتے ہیں آج
مرہم زنگار بن کر وہ چلے آتے ہیں آج[108]

بن کے سودائی تری زلفوں کو سلجھاتے ہیں آج
ہم سے دیوانے ہی تو ہشیار کہلاتے ہیں آج

ہاں سنبھل ہوشیار تیرا جور دکھلاتے ہیں آج
اے فلک ہم دامن فریاد پھیلاتے ہیں آج

آہ کس شوخ ستمگر کے خیال آتے ہیں آج
ہجر کی شب گدگدا کر جو رلا جاتے ہیں آج

محرم راز و نیاز عشق عالم سوز ہوں
میرے نالوں سے مرے دشمن جلے جاتے ہیں آج

سر میں سودا دل میں وحشت اور لب محو فغاں
حضرت ناصح کسے آ آ کے سمجھاتے ہیں آج

---

108 ۔مرہم زنگار: ایک خاص قسم کا سبز رنگ کا مرہم۔

آرہا ہے کس عروس معنیٔ نو کا خیال
ہم جو آغوش تصور اپنا وا پاتے ہیں آج

چشم ظاہر نے ہمیں دونوں جہاں سے کھو دیا
خط و خال نقش باطل پر مٹے جاتے ہیں آج

حضرت دل آپ کی پہلے تو یہ عادت نہ تھی
جس حسیں کو دیکھتے ہیں بس پھسل جاتے ہیں آج

میری وحشت کا وبال ارماں پہ میرے پڑ گیا
رہتے رہتے گوشۂ دل میں وہ گھبراتے ہیں آج

منچلے تھے ہم جوانی میں نہ تھی پروائے دل
اڑ گیا طوطا جو ہاتھوں کا تو پچھتاتے ہیں آج

شیخ صاحب کر رہے تھے دختِ زر کی تاک جھانک
کھل گیا ہے راز رندون پر تو شرماتے ہیں آج

دست رنگیں و کف پائے حنائی کے خیال[109]
ہجر میں آ آ کے ہم کو خون رلواتے ہیں آج

داغہائے عشق سے دل بن گیا وہ لالہ زار
سیر کو جس کی حسینان جہاں آتے ہیں آج

---

[109] ۔ کف پائے حنائی: محبوب کا تلوا جس پہ مہندی لگی ہو۔

محرم راز و نیاز خلوت توحید ہیں
کاشف علم معانی ہم ہی کہلاتے ہیں آج

اڑ گیا گم ہو گیا یا وہ نگاہیں لے گئیں
کیا ہوا کیوں دل کو پہلو میں نہیں پاتے ہیں آج

سخت جانوں پر قضا کا بس چلے ممکن نہیں
ہاں جو تم کہدو کہ تو مر جا تو مر جاتے ہیں آج

کل جو دشمن کے بہانے سے بلایا آپ کو
کون سی یہ بات تھی جو مجھ سے جھنجھلاتے ہیں آج

مجھ سے بیمار محبت کا نہیں ممکن علاج
حضرت عیسیٰ عبث تکلیف فرماتے ہیں آج

ہیں ہمیں مست خراباتی ہمیں پیر مغاں[110]
جام و ساغر میں ہمیں تو جلوہ دکھلاتے ہیں آج

سوز الفت کی نشانی تھی فقط شمع مزار
دامن صرصر اسے بھی گل کئے جاتے ہیں آج[111]

---

110 - ☆خراباتی: شراب خوار، جواری ☆پیر مغاں: مخدوم، شراب بیچنے والا۔

111 - صرصر: آندھی، باد تند۔

شوخی رنگ طبیعت نے ٹایا ہے وقار
راستے میں ٹوک کر ہم گالیاں کھاتے ہیں آج

محرم اسرار سے یہ بے رخی پہلے نہ تھی
آہ ہم کو دیکھ کر وہ راہ کتراتے ہیں آج

چ

(۵۲)

یوں مصور یار کی تصویر کھینچ

یاس کا ایما ید تدبیر کھینچ
آس کا حکم آہ پر تاثیر کھینچ

مغز اڑا جاتا ہے بک بک سے تری
واعظا اتنی نہ تو تقریر کھینچ

چار دیوار عناصر سے الگ
دل لگا کر نقشۂ تعمیر کھینچ

دل پھنسانا زلف میں گر ہے خطا
دار پر مجھ کو پئے تعزیر کھینچ

دیر کیوں ہے عاشقوں کے قتل میں
جلد کر ظالم میاں شمشیر کھینچ

ساقیا دے دے اچھوتی مے مجھے
دخت زر کا جامۂ توقیر کھینچ

ہے یہی مرحوم دل کی یادگار
میرے پہلو سے نہ ظالم تیر کھینچ

ہاں سنادے نام اس کا وقت ذبح
او جفا پرور ذرا تکبیر کھینچ

مونس و ہمدم بنالے قبر کا
لوحِ دل پر یار کی تصویر کھینچ

آہ و نالے کا ابھی ہو فیصلہ
تیغِ ابرو او بتِ بے پیر کھینچ

ح

(۵۴)

جمے ہیں در پہ ترے سنگ آستاں کی طرح

تلاش یار میں چکر ہے آسماں کی طرح
مکیں جو دور ہے ویراں ہے دل مکاں کی طرح

رقیب سے کرو باتیں نہ رازداں کی طرح
جلاؤ ہم کو نہ تم شمع بے زباں کی طرح

ٹپک پڑے مرے آنسو جو یاد افشاں میں[112]
زمیں پہ تارے نظر آئے آسماں کی طرح

ہمارا نالۂ پر درد سن کے فرمایا
اسی حزیں کی ہے آواز ناتواں کی طرح

عدو نہ آئیں کہیں خانۂ محبت میں
متاع شوق نہ لٹ جائے کارواں کی طرح

---

112 - افشاں: سونے چاندی کا برادہ، مقیش کی باریک کترن جو خوبصورتی کے لئے عورتیں بالوں پر چھڑکتی یا ماتھے پر چنتی ہیں۔

جو بے نقاب کبھی اپنے بام سے اترے
زمیں پہ چاند نکل آیا آسماں کی طرح

تپ فراق میں شعلے بھڑک اٹھے سر سے
تمام رات رہے ہم چراغ داں کی طرح

مشام زلف کو سونگھا کہ سانپ نے سونگھا
بلا کی نیند ہے مسموم ناتواں کی طرح

ہزار حیف کہ اس نے نہ مدعا سمجھا
مرا کلام ہے دشوار چیستاں کی طرح[113]

امید وصل نے ثابت قدم رکھا مجھ کو
جمے ہیں در پہ ترے سنگ آستاں کی طرح

لگا لگا کے عدو نے ملا لیا ان کو
جلا بجھا کے رکھا ہم کو شمعداں کی طرح

ہجوم اشک سے آنکھیں ہیں ڈبڈبائی ہوئی
روانہ صبر و تحمل ہے کارواں کی طرح

تری نگاہ کے پیکاں چبھے جو سینے میں
دل و جگر میں رہے عرش آشیاں کی طرح[114]

---

113 - چیستاں: معمہ، پہیلی۔

فراق دست حنائی میں آہ سینے سے
ٹپک رہے ہیں لہو چشم خونچکاں کی طرح[115]

خ

(۵۴)

مانند آفتاب ہوا ماہتاب سرخ

غصہ کا یہ اثر ہے کہ رنگ شباب سرخ
کیوں ہو رہا ہے آج رخ ماہتاب سرخ

خون و جگر بنے ہیں شراب و کباب سرخ
نازل شب فراق میں کیا کیا عذاب سرخ

اک طیر روح کے لئے یہ سب ہیں بند شیں
دیوار عنصری میں کھچی ہے طناب سرخ[116]

سودائے عشق نے ہمیں کیسا کیا تباہ
منہ زرد ہو رہا ہے تو چشم پُر آب سرخ

---

114 ۔عرش آشیاں: عرش پر گھر بنانے والا شخص۔

115 ۔خونچکاں: جس سے خون ٹپک رہا ہو۔

116 ۔☆ طیر: پرندہ۔☆ طناب: رسی، خیمہ کی رسی۔

کچھ رنگ مل رہا ہے جو رخسار یار سے
پھولا نہیں سماتا چمن میں گلاب سرخ

اب تو جناب شیخ بھی ہیں رند و پاکباز
خاطر سے دخت زر کی لگایا خضاب سرخ

انوار پاک کا نظر آنا محال ہے
آنکھوں پہ میکشوں کی پڑے ہیں حجاب سرخ

المختصر یہ حال ہے خانہ خراب کا
دل تک ہوا ہے سوز دروں سے کباب سرخ

کس بے گُنہ کے قتل پہ رویا فلک لہو
مقتل کی ہو رہی ہے سراسر تراب سرخ

آنکھوں میں لال لال یہ ڈورے نہیں مری
بیت الصنم میں کھینچ رہی ہے طناب سرخ[117]

ایما ہمارے قتل کا کرتے ہیں بار بار
لب سرخ آنکھ سرخ رخِ لاجواب سرخ

حسن قدم نے جلوہ جو اپنا دکھا دیا
غیرت سے ہو گیا ہے رخ آفتاب سرخ

---

117 - بیت الصنم: بت خانہ، خانۂ محبوب۔

اس سیم تن نے سرخ جو محرم پہن لئے
دریا کے پاٹ پر نظر آئے حباب سرخ[118]

اخلاق خوب ہیں تو ہے انسان سرخرو
کہلائے لال رکھے اگر پر خراب سرخ

انکار جور حشر میں ظالم کرے گا کیا
شاہد ہیں میرے خون کے دوبوتراب سرخ

پیغام وصل ہم نے جو بھیجا رقیب سے
غصہ سے ہو گیا وہ بت لاجواب سرخ

سوز و گداز ہجر کی شب کا نہ پوچھ تو
دل کے غبار اٹھ کے بنے ہیں سحاب سرخ[119]

اک لالہ رو کے عشق نے ہم کو کیا شہید[120]
دینا کفن میں آہ ہمارے ثیاب سرخ

118 -حباب: پانی کا بلبلہ۔

119 -سحاب: بادل، ابر، گھٹا۔

120 -لالہ رو: سرخ چہرہ والا، دلبر، معشوق۔

ر

(۵۵)

عشق بلبل پہ ہے موقوف نہ پروانے پر

وصل اس کا جو ہے موقوف قضا آنے پر
جان آمادہ ہے قالب سے نکل جانے پر

رنگ بدلا تری محفل کا ترے آنے پر
شمع جلتے ہی جلانے لگے پروانے پر

انتہا ہوگئی اب تو ستم ایجادی کی
خاک تک ڈالنے آئے نہ وہ دیوانے پر

سر میں سودا جو ہے تیرا تو اسیری میں بھی
دل ہے آمادہ تری زلف کے سلجھانے پر

گل ہوئی شمع محبت نہ کبھی گل ہوگی
عشق بلبل پہ ہے موقوف نہ پروانے پر

روز پڑتی ہیں مرے دل پہ نگاہیں ان کی
آہوئے چینی اتر آئے ہیں ویرانے پر[121]

---

121 - آہوئے چینی: رسائی سے بالا دنیا میں رہنے والا معشوق۔

آپ کے آگے حقیقت دل پر شوق کی کیا
آپ تشریف تو لائیں مرے کاشانے پر

مٹ گیا سوز محبت کا اثر تربت سے
ورنہ افسوس نہ تھا شمع کے بجھ جانے پر

جس سے امید وفا تھی وہی قاتل ٹھہرا
کیا بھروسہ کریں اس دور میں بیگانے پر

چل گئی جان تمنا پہ حیا کی تلوار
خون حسرت کا رہا آپ کے شرمانے پر

تاک میں ہے دل پر خون کی وہ چشم میگوں[122]
آنکھ للچائی ہوئی پڑتی ہے پیمانے پر

پڑ گئے جان کے لالے تو کہاں دل کی خیر
تل گیا ہے وہ حسیں اب تو ستم ڈھانے پر

رابطہ کامل ہے تو قاصد کی نہیں حاجت آہؔ
میری ہر سانس مقرر ہے خبر لانے پر

---

122 ۔ چشم میگوں: خمار آلود آنکھ۔

(۵۶)

قدم رکھیو تو بسم اللہ کہکر میرے مدفن پر

تجلی طور کی دیکھی کسی کے روئے روشن پر
گری اک حسن کی بجلی مری ہستی کے خرمن پر[123]

ہمیشہ مہر والفت کی نظر رہتی ہے دشمن پر
فقط میرے لئے پردہ لگایا تم نے چلمن پر[124]

کہیں برق بلا شاید گری تھی دشت ایمن پر[125]
نہ چھوڑا ایک تنکا تک مری شاخ نشیمن پر

اڑا کر لے گیا ہے کون میرے طائر دل کو
مجھے کچھ شبہ سا ہوتا ہے چشم سامری فن پر[126]

ہماری ناتوانی کیا مبارک ناتوانی ہے
نگاہیں ہٹ نہیں سکتیں جمی ہیں روئے روشن پر

---

123 ۔خرمن: کھلیان، انبار۔

124 ۔چلمن: چق، تیلیوں کا بنا ہوا پردہ۔

125 ۔دشت ایمن: محفوظ جنگل، مبارک بیابان۔☆برق بلا: مصیبت کی بجلی۔

126 ۔چشم سامری فن: جادوئی صفات والی آنکھ، ایسی آنکھ جس کا سامنا کرتے ہی انسان یکگونہ سحر کا شکار ہو جائے۔

تمہارے نام لیوا اس طرح کوچہ میں بیٹھے ہیں
لئے تصویر دل میں سر میں سودا آنکھ چلمن پر

ہوا سے ہوش اڑتے ہیں گھٹا سے دم بھی گھٹتا ہے
بہارے کشی اب کے اٹھا رکھی ہے ساون پر[127]

یہ کیسی بے کسی ہے روتے روتے گھل گئی آخر
پتنگا تک نہیں آیا ہماری شمع مدفن پر

مرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے جب یہ سنا میں نے[128]
مرے پھولوں کی محفل میں نظر تھی ان کی دشمن پر

نگاہ گرم کی چوٹیں نہ سنبھلیں شیشۂ دل سے
کہ نازک آبگینے ٹوٹ ہی جاتے ہیں گلخن پر[129]

اِدھر اے آہ میری بے کسی ہے میرے ماتم میں
اُدھر حسرت کھڑی سر پیٹتی ہے میرے مدفن پر

(۳/اکتوبر ۳۶ء)

---

127 ۔ساون: بکرمی سال کا چوتھا مہینہ، برسات کا موسم (عموماً ۱۵/جولائی سے ۱۵/اگست تک)

128 ۔ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے: یعنی حواس باختہ ہو گیا، حیران رہ گیا۔

129 ۔ گلخن: تنور، بھٹی، چولہا۔

(۵۷)

کس نے چڑھائے پھول ہمارے مزار پر

دل تو دیا تھا آہ کسی اعتبار پر
کس کو خبر تھی ہونگے ستم جاں نثار پر

آتا جو رحم ان کو مرے انتظار پر
کرتے کرم ضرور وہ امیدوار پر

میت کہے نہ کوئی رہیں شاخسار پر[130]
کیا کیا عنایتیں ہیں تری جاں نثار پر

رکھتا ہوں آگ عشق کی دل میں دبی ہوئی
حاجت نہیں ہے شمع کی میرے مزار پر

دو چار آنکھیں کیا ہوئیں دل کو اڑا لیا
ان دو کبوتروں نے لگائے یہ چار پر

ہیں داغ دل جو شعلے کسی شمع حسن کے
ترجیح میرے سینے کو ہے لالہ زار پر

---

130 -شاخسار: بہت سی ٹہنیوں والا، درختوں کا جھنڈ۔☆اس شعر میں قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کی طرف تلمیح ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة :۱۵۴)یعنی جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں، لیکن عام لوگوں کو اس کی خبر نہیں۔

رخ سے ہٹاؤ کالوں کو آئینہ رکھ کے تم
شاہ حلب کا قبضہ ہو ملک تتار پر[131]

جل بجھ کے خاک شمع بھی آخر کو ہو گئی
پروانے جس پہ کرتے تھے شب کو نثار پر

ظاہر تجلیات الٰہی ہیں بعد مرگ
اک ہن برس رہا ہے ہمارے مزار پر[132]

تاخیر شام صبح قیامت سے کم نہیں
آنکھیں بچھی ہیں راہ شب انتظار پر

تار نفس ہم اپنا انہی سے لگا نہ لیں
ہر دم پیام جاری رہے ایک تار پر

ممکن نہیں دعاء دلی کارگر نہ ہو
لبیک کی صدا ہے ہماری پکار پر

بلبل چمن سے دور کہاں تک اٹھائے رنج
یا رب ترا کرم ہو غریب الدیار پر[133]

---

131 ۔ایک قسم کی تلمیح ہے، یعنی رخ سے زلفیں ہٹاؤ کہ چہرہ کا حسن دیکھنے کا موقعہ ملے۔

132 ۔ہن: دولت، مال وزر، دکن کے ایک قدیم سکہ کا نام۔

133 ۔غریب الدیار: مسافر، پردیسی، بے وطن۔

پہلو میں ہم کسی کا جو ارمان لے چلے
حسرت برس رہی ہے ہمارے مزار پر

رسوا نہ ہوتے عشق میں اے آہ ہم کبھی
قابو نہیں مگر دل بے اختیار پر

(۵۸)

مسیحا بن کے رکھ دو ہاتھ میرے دل کی دھڑکن پر

نظر جب پڑگئی صیاد کی شاخ نشیمن پر
عنادل گر پڑے بے ہوش ہو کر گل کے دامن پر

کسی کی جان جاتی ہے تمہاری چشم پر فن پر
کسی کا دم نکلتا ہے تمہاری بانکی چتون پر[134]

شہید عشق متوالے ہیں تیرے کیا خبر ان کو
کہ ان کا خون دامن پر ہے یا قاتل کی گردن پر

شب فرقت تمہارے ہاتھ ہے صبر و سکوں میرا
مسیحا بن کے رکھ دو ہاتھ میرے دل کی دھڑکن پر

مرے مرنے کا غم کس کو نہیں ہو گا زمانے میں
اِدھر حسرت اُدھر وہ بے کسی روتی ہے مدفن پر

ہزاروں حسرتیں پامال ہیں رفتار جاناں سے
ہزاروں دل ہوئے جاتے ہیں قرباں ایک چتون پر

---

[134] -بانکی چتون: نگاہ ناز، شوخ نگاہ۔

ترے بچپن کی شوخی نے غضب ڈھایا ستم توڑا
کہیں پٹکا کہیں دل کو جلایا شمع روشن پر
نظر سے جب نظر ملتی ہے دل میں آگ لگتی ہے
نہ ڈالو آنکھ دیوانو! کبھی چقماق روشن پر[135]
نتیجہ ہے یہی اے آہ ظالم کی محبت کا
کبھی اس کو ترس آیا نہ نالے پر نہ شیون پر[136]

---

[135] - چقماق: ایک پتھر جس سے آگ نکلتی ہے۔

[136] - شیون: نالہ و فریاد، واویلا۔

م

(۵۹)

شاکی نہیں فراق کے اب تو کسی سے ہم

یاد شب وصال میں گزرے خودی سے ہم
شاکی نہیں فراق کے اب تو کسی سے ہم[137]

آیا شباب سوز محبت کے ساتھ ساتھ
بے وقت مر رہے ہیں تپ موسمی سے ہم[138]

شاید ازل کا وعدہ فراموش ہو گیا
رکھتے ہیں ساز باز جو حور و پری سے ہم

خلوت میں آئینہ تری توحید کا رہا
رہتے ہیں رونما بھی الگ بھی سبھی سے ہم

کوئی ہمارے درد کا کیوں کر ہو چارہ ساز
اسرار عشق کہتے نہیں جب کسی سے ہم

---

137 -شاکی: شکوہ کرنے والا۔

138 -تپ موسمی: موسمی بخار، حرارت۔

ہم ہیں شہید ناز گماں موت کا کہاں
ڈرتے نہیں قضا سے نگہہ کی چھری سے ہم

ڈالا ہے تفرقہ فلک کینہ ساز نے
گل ہے چمن سے دور وطن کی گلی سے ہم

آخر ہوئے ہیں پھنس کے زمانے میں سب خراب
زاہد سے حور ، شیخ سے مے اور پری سے ہم

کیسا ضرر ہمیں تو ہوا نفع عشق میں
دل دے کے لے لیا ہے ہزاروں خوشی سے ہم

الفت کا راز آہ کھلا بھی تو کب کھلا
مر مٹ چکے گذر گئے جب اپنے جی سے ہم

(۶۰)

قطعہ

یہی خیال تھا عہد وفا کریں گے ہم
کسی کے عشق میں مر کے جیا کریں گے ہم

نگاہ غور سے دیکھا تو یہ نظر آیا
عذاب حال میں نہ دل مبتلا کریں گے ہم

ن

(٦١)

شجر سکتے میں ہیں خاموش ہے بلبل نشیمن میں

کسی مالیدہ لب کا رنگ آیا ہے جو سوسن میں[139]
گھٹائیں دیکھ کر حسرت سے رو دیتی ہیں ساون میں

کھلے عارض یہ کس آئینہ رو کے آج گلشن میں[140]
شجر سکتے میں ہیں خاموش ہے بلبل نشیمن میں

مزے خلوت نشینی کے جو پائے مرنے والوں نے
اکیلے جا بسے سب چھوڑ کر وہ کنج مدفن میں[141]

ہوائے سیر گل ہی باعث رنج و محن ٹھہری
جوانی سے بہت اچھے تھے ہم اپنے لڑکپن میں

کشش ان کو نہ لائی پھر کوئی لائے کہاں ممکن
نہ یہ طاقت ہے موٹر میں نہ اتنا زور انجن میں

---

139 -مالیدہ: نرم وملائم، ملا ہوا۔ ☆سوسن: آسمانی رنگ کا ایک پھول جسے شعراء زبان سے تشبیہ دیتے ہیں۔

140 -عارض: رخسار، چہرہ۔

141 -کنج: گوشہ۔

اثر اتنا تو ہے نالوں میں وہ بت چونک اٹھتا ہے
پس دیوار کرتا ہوں کبھی جو آہ و شیون میں

نکل کر کوئے جاناں سے بیاباں میں نہ تھا تنہا
ہزاروں حسرتیں ہمدم رہیں صحرا کے دامن میں

نہ تڑپے گا تڑا بسمل جھجکتا قتل سے کیوں ہے
جکڑ دے دست و بازو کو ذرا زنجیر آہن میں[142]

شباب آیا ہے جب سے میرے پہلو میں نہیں آتے
جوانی سے مرے حق میں وہ اچھے تھے لڑکپن میں

خدا کا شکر ہے اتنا اثر دکھلایا نالوں نے
مرے خط کا جواب آنے لگا اب طرز احسن میں

کلیجہ چور ہوتا ہے جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں
انہیں بیٹھا ہوا جب دیکھتا ہوں بزم دشمن میں

جناب آہؔ اب تو متقی و پارسا نکلے
یہی حضرت گئے تھے دخت زر سے ملنے لندن میں

---

142 ۔ آہن: لوہا۔

(٦٢)

جیسے کہتے ہیں بحر عشق اس کے دو کنارے ہیں

کھُبیں آنکھوں میں جن کی صورتیں آنکھوں کے تارے ہیں
تمنائیں وہی دل کی ، وہی ارمان سارے ہیں

ہمارے جینے مرنے کے فقط دو ہی سہارے ہیں
امید وصل ہے یا تیغ ابرو کے اشارے ہیں

رقیب روسیہ اللہ کے ایسے سنوارے ہیں
تمہاری بزم میں بیٹھے ہیں اور شکوے ہمارے ہیں

چبھیں دل میں جو نشتر کی طرح ناوک تمہارے ہیں
رگ جاں کو جو تڑپا دیں وہ آنکھوں کے اشارے ہیں

نہ شبنم کے کہیں قطرے نہ اخگر دیکھے عالم میں[143]
جلے دل کے پھپھولے ہیں کچھ آہوں کے شرارے ہیں[144]

شب وعدہ وہ آتے ہیں نہ جانے منہ سے کیا نکلے
یہ دل حسرت کا مارا ہے ہم ارمانوں کے مارے ہیں

---

143 -اخگر: چنگاری، انگارا، اس کی جمع اخگراں آتی ہے۔

144 - پھپھولہ: چھالہ، آبلہ۔☆شرارہ: چنگاری۔

یہ کیا ممکن نہ ہوتا شیشۂ دل چور سینے میں
نگاہیں گرم پڑتی ہیں عدو سے جو اشارے ہیں

کسی کی یاد میں آنسو مچلتے ہیں جو دامن پر
وہ سب ٹکڑے جگر کے ہیں وہ سب آنکھوں کے تارے ہیں

وہی جو دلنشیں ہیں چٹکیاں لیتے ہیں رہ رہ کر
نگاہ ناز نے یہ کس غضب کے تیر مارے ہیں

عجب انداز ہیں ان قہر آلودہ نگاہوں کے
کہیں تو ذبح کرتے ہیں کہیں کچھ اور اشارے ہیں

دھواں دل سے اٹھا چنگاریاں اڑتی ہیں عالم میں
زمیں کیا آسماں پر بھی شرارے ہی شرارے ہیں

مزہ اے آہؔ جب سے خلوت توحید کا پایا
بھرے مجمع میں رہتے ہیں مگر سب سے کنارے ہیں

(۶۳)

بہت سی خوبیاں تھیں اس جواں میں

دھواں دل سے اٹھے آہ وفغاں میں
لگادیں آگ ساتوں آسماں میں

کسی کو کیا خبر ہے اس جہاں میں
ہیں مضمر راز کیا کیا کن فکاں میں[145]

خزاں پہونچی بہار گلستاں میں
ہوئی بے چین بلبل آشیاں میں

تمہارے رخ سے آنکھیں پھیر لیں ہم
نہیں یہ تاب جان ناتواں میں

تری منت مسیحا میں نہ کرتا
دوائے دل اگر ملتی دکاں میں

رہین منت صیاد ہیں ہم
قفس رکھا ہمارا گلستاں میں

[145] ۔کن فکاں: دنیا، مخلوقات، کائنات۔

کھلی ہی رہ گئی چشم فلک بھی
تمہیں دیکھا جو بزم دشمناں میں
جھکیں ابرو تو سیدھے تیر نکلیں
عجب انداز ہے ٹیڑھی کماں میں
جو کھائیں گالیاں شیریں لبوں کی
لپٹ کر رہ گئے شکوے زباں میں
اٹھا جب پی پلا کر مست کوئی
اداسی چھا گئی مے کی دکاں میں
پپیہوں نے بڑھائی میری وحشت[146]
جنون افزا اثر تھا پی کہاں میں[147]
غریب و غمزدہ ناکام و شیدا
نہیں مجھ سا زمین و آسماں میں
جہاں ہمدم نہ ہو کوئی کسی کا
رہیں اے آہ کیوں ایسے مکاں میں

146 - پپیہا: زرد رنگ کا ایک خوش آواز پرندہ جو پی پی کی صدا لگاتا ہے۔
147 - پی کہاں: پپیہے کی آواز۔

(٦٤)

مثالِ شمع ہجر یار میں روتے ہیں جلتے ہیں

رقیب روسیہ کو ساتھ لیکر جب نکلتے ہیں
دل عاشق پہ کیا کیا حسرتوں کے تیر چلتے ہیں

مرے دشمن نہیں معلوم کیا کیا زہر اگلتے ہیں
کہ ہر ہر بات پر اب مجھ سے وہ تیور بدلتے ہیں

ابھی تو نو گرفتار بلا ہیں اور یہ عالم ہے
ہمارے طفل اشک چشم دامن میں مچلتے ہیں[148]

ہزاروں جور ہوں لاکھوں ستم ہوں سب سہیں گے ہم
کہیں معشوق کے کوچہ سے عاشق بھی نکلتے ہیں

کسی کی بے وفائی میں بھی اک شان وفا دیکھی
جنازے پر نہ آئے تو کف افسوس ملتے ہیں

ہمارے دیدہ و دل کی حقیقت دیکھتے جاؤ
کہیں چشمے ابلتے ہیں کہیں شعلے نکلتے ہیں

---

148 ۔ طفل اشک: آنسو۔

بتائیں ہجر ہم کیوں کر دکھائیں درد کیا اپنا
ہمارے گھر وہ آتے ہیں تو کل نقشے بدلتے ہیں

مرے آنسو کو تم قطرے نہ سمجھو صرف پانی کے
یہ تیزاب محبت ہیں اسی سے دل پگھلتے ہیں

ہوا ہوں جب سے سودائی کسی کی چشم و گیسو کا
گھٹا غم کی ہے آنکھوں میں سنپولے دل میں پلتے ہیں[149]

محبت ہم سمجھتے ہیں تری طرز عداوت کو
جگہ دیتے ہیں پہلو میں جو تیرے تیر چلتے ہیں

بہت سچ ہے کہ آخر خون ناحق رنگ لاتا ہے
حنا کے بدلے اب تو وہ ہمارا خون ملتے ہیں

جو دیکھا ہے انہیں اغیار سے سر گوشیاں کرتے
پشیماں ہو کے کیا کیا بات کے پہلو بدلتے ہیں

شب فرقت نہ پوچھو آہ چشم زار کا عالم
تن بسمل میں دو چشمے ہیں جو ہر دم ابلتے ہیں

---

149 ۔سنپولہ: سانپ کا بچہ۔

(٦٥)

عید کا کچھ نہ ملا ہم کو مزا عید کے دن

ناروا جور کو رکھتے ہو روا عید کے دن

غیر سے کرتے ہو تم میرا گلا عید کے دن

مجھ سے وہ عہد شکن جب نہ ملا عید کے دن

عید کا خاک ملے مجھ کو مزا عید کے دن

آگئی یاد جو فرقت کی بلا عید کے دن

عید کا کچھ نہ ملا ہم کو مزا عید کے دن

کر دیا عشق و مسرت نے کچھ ایسا بے ہوش

ہم کو ان سے ہوئی امید وفا عید کے دن

جذب دل کھینچ کے لایا ہے اِدھر یاد رہے

مجھ پہ کچھ آپ کا احساں نہ ہوا عید کے دن

مجھ کو بھی لوگ کہا کرتے ہیں اب تو قبلہ

جب سے ہر سال وہ بت آنے لگا عید کے دن

شمع سوزاں کی طرح رشک جلاتا ہے مجھے[150]

آپ غیروں سے جو کرتے ہیں وفا عید کے دن

---

150 - شمع سوزاں: جلتی ہوئی شمع۔

مجھ کو دکھلا کے وہ دشمن سے گلے ملتے ہیں
اللہ اللہ یہ جفا ایسی جفا عید کے دن

صدقۂ فطر میں دشمن کو نکالو گھر سے
تاکہ بیمار کی ہو دور بلا عید کے دن

بوئے گل نافۂ مشکیں کی حقیقت دیکھوں[151]
کھول دو زلف معنبر کو ذرا عید کے دن

شاد باش اے دل بے تاب وہ خود آتے ہیں
رنگ لائی ہے یہ تاثیر دعا عید کے دن

ایک وہ بھی ہیں کہ ملتا ہے زمانہ ان سے
ایک میں ہوں کوئی مجھ سے نہ ملا عید کے دن

تیرے زلفوں کی تصور میں بلائیں لے کر
اپنے سر مول لیا رنج و بلا عید کے دن

حق پرستوں کی نشانی یہی دیکھی اے آہؔ
یاد آتا ہے بہت ان کو خدا عید کے دن

---

151 -نافۂ مشک: مشک کی تھیلی، ایک خاص ہرن کے پیٹ کی تھیلی جو خوشبودار ہوتی ہے۔

(٦٦)

ہم نے دیکھی نہ کہیں ایسی فسوں گر آنکھیں

بے مروت ہیں جفاجو ہیں ستمگر آنکھیں[152]
خون کرتی ہیں یہ عاشق کا بدل کر آنکھیں

کتنی پر کیف ہیں متوالی ہیں دلبر آنکھیں[153]
گویا چلتی ہیں چڑھا کے کئی ساغر آنکھیں

جز ترے اور کسی پر نہ پڑیں گر آنکھیں
حشر تک کیوں نہ رہیں طاہر واطہر آنکھیں

دین ودنیا کو تو کرتی ہیں مسخر آنکھیں
یا الٰہی یہ ولی ہیں کہ پیمبر آنکھیں

نہ بنیں وادی الفت میں جو رہبر آنکھیں
چشم حق بیں کی نظر میں ہیں وہ دو بھر آنکھیں

حسن رخسار نہ دیکھیں تو کہاں چین آئے
ایک مدت سے تماشے کی ہیں خوگر آنکھیں

---

152 -جفاجو: ظالم، معشوق۔☆ ستمگر: ظالم۔

153 -متوالی: مست، مدہوش، مخمور۔ نشہ میں چور

جلوۂ یار نہ دیکھے تو وہ بینائی کیا
درد فرقت سے نہ روئیں تو ہیں پتھر آنکھیں

جس کو دیکھا وہ ہوا آپ ہی کا دیوانہ
سحر کرتی ہیں کہ اعجاز سراسر آنکھیں

دیکھ کر حسن گلو سوز تردد ہے یہی[154]
دل تصدق ہو کہاں اور کہاں پر آنکھیں

تیری نظروں نے کیا مجھ کو کچھ ایسا زخمی
ہر رگ جاں میں مرے ہو گئیں ستر آنکھیں

ہوں شہید نگہ ناز ترا اے قاتل
رہتی ہیں خون تمنا سے مری تر آنکھیں

میں بھی ہوں وہ بھی ہیں سینہ بھی ہے دیکھوں تو سہی
مشق ناوک فگنی کرتی ہیں کیونکر آنکھیں

نگہ ناز سے اے آہ کیا جس نے شہید
یہی کافر ہیں یہی ہیں وہ ستمگر آنکھیں

154۔ گلو سوز: نہایت میٹھی اور لذیذ۔

ق

ان سے جو پوچھا کہ در پردہ ہے الفت کس کی
ان دنوں رہتی ہیں کیوں آٹھ پہر تر آنکھیں

آرزو کس کی ہے ارماں تمھیں کس کا ہے
منتظر کس کی رہا کرتی ہیں شب بھر آنکھیں

سن کے پہلے وہ بگڑنے لگے آخر یہ کیا
آہ قابو سے ہوئی جاتی ہیں باہر آنکھیں

دل میں آبیٹھی ہے جب سے وہ خیالی صورت
ڈھونڈھتی پھرتی ہیں اس کو مری گھر گھر آنکھیں

بے کلی دل کی جو فرقت میں سوا رہتی ہے
چین سے سوتی نہیں ہیں مری شب بھر آنکھیں [155]

---

155 -اس کلام پر حضرت آہؔ نے اپنی ڈائری میں ایک نوٹ چڑھایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ کلام ان کی زندگی میں ہی اس قدر مقبول اور مشہور ہوا کہ یہ موسیقی اور رند خرابات کی محفلوں میں اور فونوگراف کے سازوں پر بھی سنا جانے لگا تھا، مگر اتنے خوبصورت کلام کے بے جا استعمال پر ان کو افسوس تھا، آہؔ کا احساس یہ ہے کہ یہ کلام ان کی مجلس کے بعض نامحرم واردین کی بدولت خراباتیوں تک پہونچا، اور یہ نغمۂ فقیر عشرت کدوں میں گونجنے لگا۔

(٦٧)

جنون اور وحشت کے مارے ہوئے ہیں

کسی کی محبت کے مارے ہوئے ہیں
محبت میں آفت کے مارے ہوئے ہیں

لحد میں نکیرین ہم کو نہ چھیڑیں[156]
مسافر ہیں غربت کے مارے ہوئے ہیں

سبب کوچہ گردی کا ہم سے نہ پوچھو
جنون اور وحشت کے مارے ہوئے ہیں

کبھی وصل کی ہم تمنا نہ کرتے
کریں کیا کہ حسرت کے مارے ہوئے ہیں

لگاتے نہ ہم دل کسی بے وفا سے
مگر آہ قسمت کے مارے ہوئے ہیں

---

156 - نکیرین: منکر نکیر، مردہ سے سوال و جواب کرنے والے دو فرشتے۔

(٦٨)

حقیقت میں وطن وہ ہے جہاں احباب رہتے ہیں

شب فرقت جو عاشق ہیں بہت بے تاب رہتے ہیں
تڑپتے ہیں مثال ماہی بے آب رہتے ہیں

حسینوں نے اڑایا رنگ شاید طائر دل کا
یوں ہی کیا ان حنائی ہاتھوں میں سرخ آب رہتے ہیں

مرا دل ہو کہ مہندی پِس کے بھی شاداب رہتے ہیں
جبھی تو اس حنائی ہاتھ میں سرخاب رہتے ہیں[157]

تصور چٹکیاں لیتا ہے اک مہرو کا پہلو میں
ہمیشہ بستر غم پر شب مہتاب رہتے ہیں[158]

کمال حسن سے عالم مسخر ہو گیا سارا
تمہارے ناز برداروں میں شیخ و شاب رہتے ہیں[159]

تمہاری بزم سے اے جاں عدو نکلا نہ ہم پہونچے
کھلے کب آمد و شد کے لئے ابواب رہتے ہیں

---

157 ۔سرخاب: ایک آبی پرندہ، سرخ رنگ کا پانی۔

158 ۔شب مہتاب: چاندنی رات۔

159 ۔شیخ و شاب: بوڑھا اور جوان۔

جو غربت میں کبھی رویا تو ہنس کر بے کسی بولی
حقیقت میں وطن وہ ہے جہاں احباب رہتے ہیں

لگی ہے آگ دل میں تو جگر بھی پانی پانی ہے
تپ فرقت ہے اور ہم دیدۂ پر آب رہتے ہیں

نکل آئیں جو بوندیں آنسوؤں کی ابر نیساں تھیں[160]
مرے دامن میں ہر دم گوہر نایاب رہتے ہیں

تکلف بر طرف ساقی میں متوالا ہوں متوالا
بجا کب بے خودی شوق میں آداب رہتے ہیں

نگہ کو ناز کو ابرو کو کس کس کو کہیں دشمن
ہمارے قتل کے کیا ایک دو اسباب رہتے ہیں

نہیں کی ہم نہیں سنتے ہجوم شوق و ارماں میں
انہیں بے خواب رکھتے ہیں جو ہم بے خواب رہتے ہیں

اسیران قفس کے ایک دن آنسو نہیں گرتے
کبھی دامن پہ موتی ہیں کبھی سرخ آب رہتے ہیں

---

160 -ابر نیساں: شمسی مہینہ نیساں (جو ستمبر کے مطابق ہوتا ہے) میں برسنے والا بادل، مشہور ہے کہ اس سے سیپ میں موتی، کیلے میں کافور، بانس میں بنسلوچن اور سانپ میں زہر بنتا ہے۔

مسیحا جبکہ لکھتا ہے حنائی ہاتھ سے نسخہ
تواس میں شاخ مرجاں دانۂ عناب رہتے ہیں[161]

جو ہوتے ہو خفا ہم سے تو دشمن ساتھ لگتا ہے
نہال آرزو اغیار کے شاداب رہتے ہیں[162]

ہوا ہے کیا یہ کیسا درد ہے جو کچھ نہیں کہتے
جناب آہ روتے جاتے ہیں بے تاب رہتے ہیں

امید وصل نے کیسی دکھائی آہ مایوسی
کہ ہم پینے کو ہر دم ساغر زہر آب رہتے ہیں[163]

161 -☆مرجان: مونگا، چھوٹا موتی۔ ☆عناب: ولایتی بیر جو نہایت سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔

162 -نہال: تازہ پودا۔

163 -زہر آب: جس پانی میں زہر ملا ہوا ہو۔

(٦٩)

لوگ میرے لئے دعا نہ کریں

تیری بیداد کا گلہ نہ کریں
تو جو مل جائے لب کو وا نہ کریں

ہم سے ملنے میں وہ بہانہ کریں
عذر اغیار سے ذرا نہ کریں

وہ ستم ہی کریں وفا نہ کریں
ہم کو لازم ہے کچھ گلہ نہ کریں

تیرے بندے انا انا نہ کریں
مفت میں دار پر چڑھا نہ کریں[164]

ہے تواضع یہی یہی تسلیم
سر کو سجدہ سے ہم جدا نہ کریں

مجھ کو تیر نگاہ سے مارو
دیکھنا یہ کہیں خطا نہ کریں

---

164 - انا انا: ایک تلمیح، حضرت منصورؒ محویت کے عالم میں انا الحق بول پڑے تھے، جو ان کے سولی پر چڑھائے جانے کا سبب بنا۔

ہم سراپا سوال وارماں ہیں
گرچہ کچھ عرض مدعا نہ کریں

مٹ گیا فرق تو و من کا جب
عشق والے انا انا نہ کریں

بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی
عذر بیجا میں لب ہلا نہ کریں

دل کے دینے میں عذر کس کو ہے
ہاں مگر لیکے وہ دغا نہ کریں

سخت دشوار ہے ترا ملنا
رہنمائی جو رہنما نہ کریں

کچھ تو بسمل کی آرزو نکلے
دل پہ وہ شوق سے نشانہ کریں

خون دل ہی میں ہاتھ رنگ نہ لیں
ایسی ویسی حنا ملا نہ کریں

بندۂ عشق کی تمنا ہے
تیری جس میں نہ ہو رضا نہ کریں

میں ہوں بیمار چشم نرگس کا[165]

دوست میرے مری دوا نہ کریں

مصحف رخ ،عدو تماشائی

نور نامہ ہمیں پڑھا نہ کریں

چشم ناوک کا یہ اشارا ہے

تیر ہم کھائیں اف ذرا نہ کریں

آہ پہلو میں درد رکھتے ہیں

تا بکے نالہ وبکا نہ کریں

165 ۔چشم نرگس: نرگس ایک پھول ہے جسے شعراء آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں، مجازاً یہ محبوب کی مست آنکھوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۷۰)

یا میرا سر نہیں رہے یا آستاں نہیں

اشکوں کا کب فراق میں سیل رواں نہیں[166]

اس بحر میں حباب سا کب آسماں نہیں

جب وہ فروغ بزم مرا میہماں نہیں

کچھ دل میں حوصلہ نہیں روح رواں نہیں

سودائے زلف کا یہی ٹھہرا ہے اک علاج

یا میرا سر نہیں رہے یا آستاں نہیں

گردش میں آفتاب بھی ہے ماہتاب بھی

منزل کا تیری ملتا کسی کو نشاں نہیں

بیداد کا تمہاری یہ ادنیٰ ثبوت ہے[167]

کس دن اڑائیں تم نے مری دھجیاں نہیں

اک شور دیر و کعبہ میں کیوں ہے شب وصال

وقت جرس نہیں ہے یہ وقت اذاں نہیں

---

166 - سیل رواں: زوردار سیلاب۔

167 - بیداد: ظلم، ناانصافی۔

جو ہیں شہید ناز وہ ہیں سب سے بے نیاز
اک مست زندہ دل ہیں قضا کا گماں نہیں

ہم کو قرار ہے نہ انہی کو قرار ہے
راحت کسی کو آہ تہ اسماں نہیں

مقطع پڑھوں اک اور کہ ہو حسب حال آہ
بزم سخن ہے دوست ہیں دشمن یہاں نہیں

(۷۱)

میں آشنائے درد ہوں درد آشنا مرا

کس دن ترا خیال ہمیں جان جاں نہیں
گذری وہ کون رات کہ آہ وفغاں نہیں

تم مہربان ہو تو کوئی نامہرباں نہیں
دشمن زمیں نہیں ہے عدو آسماں نہیں

ناصح نہ پوچھ مجھ سے مرے رنج ویاس کو
خاطر جو ہو ملول تو ممکن بیاں نہیں

آنکھیں لڑا کے ان سے ہوا سینہ پاش پاش
کھائی وہ چوٹ جس کا تھا وہم وگماں نہیں

آیا خیال جب کبھی تصویر یار کا
ایسے خموش ہم ہوئے گویا زباں نہیں

ضبط تپ فراق ہمارا نہ پوچھئے
دل صاف جل گیا مگر اٹھا دھواں نہیں

اٹھے تو تلملائے جو بیٹھے تو غش ہوئے
مارے ہوؤں کو ہجر کے تاب وتواں نہیں

کعبے میں تم ملے نہ کلیسا میں تم ملے
روزِالست سے تمہیں ڈھونڈھا کہاں نہیں

چونکے ہیں کچھ وہ آہ دلِ ناصبور سے
نالے شبِ فراق مرے رائگاں نہیں

آئی جو یاد تیری تو آنسو نکل پڑے
اٹھا جو درد دل میں تو رکتی فغاں نہیں

میں آشنائے درد ہوں درد آشنا مرا
ناصح یہ راز بستہ کسی پر عیاں نہیں

مر مٹ چکے کسی کی محبت میں آہ ہم
ڈھونڈھے سے بھی تو ملتا ہمارا نشاں نہیں

(۷۲)

مشکلیں اتنی پڑیں ہم پر کہ آساں ہوگئیں

ایک ہی صورت سے کتنی شکل انساں ہو گئیں
قدرتیں اللہ کی کیا کیا نمایاں ہو گئیں

میں نے پوچھا حسرتیں پوری مری جاں ہو گئیں
قتل کر کے مسکرائے اور کہا ہاں ہو گئیں

جب جوانی کی امنگیں دل میں مہماں ہو گئیں
راحتیں سب میزبانی میں پریشاں ہو گئیں

یہ نہ پوچھو کس ادا پر جانیں قرباں ہو گئیں
جتنی باتیں ہیں سبھی تو دشمن جاں ہو گئیں

جو کیا وعدہ اسے ایفا کیا ہم نے ضرور
جتنی باتیں منہ سے نکلیں عہد و پیماں ہو گئیں

کیا کریں گے اب عنادل سیر گلہائے چمن
گرمی آہ و فغاں سے خشک کلیاں ہو گئیں

آرزو، حسرت ، تمنا ، لذت سوز و گداز
سب ہمارے ساتھ زیر خاک پنہاں ہو گئیں

جب نہ کوئی آرزو تھی چین تھا آرام تھا
حسرتیں پہلو میں آکر دشمن جاں ہو گئیں

حسرت دیدار ہے اک بحر خوبی کی مجھے
روتے روتے میری آنکھیں رشک طوفاں ہو گئیں

کھل گئے اسرار قدرت کے ہمارے سامنے
صورتیں نظروں میں ساری ماہ کنعاں ہو گئیں[168]

ٹیس ہے پہلو میں اور دل میں کھٹک لا انتہا
یا الٰہی یہ نگاہیں کس کی پیکاں ہو گئیں

فیض روح القدس سے اے آہ میں ہوں مستفیض[169]
میری نظمیں کاشف اسرار قرآں ہو گئیں

---

168 -ماہ کنعاں: کنعاں کا چاند، حضرت یوسفؑ کی طرف اشارہ ہے، شام کے صوبہ فلسطین کو کنعان کہتے ہیں، جہاں حضرت یوسفؑ کی ولادت ہوئی تھی۔

169 -روح القدس: حضرت جبرئیلؑ کا لقب ہے، پاک روح، نیز خدا کی اس پاک روح کو بھی روح القدس کہتے ہیں جو حضرت مریم میں پھونکی گئی تھی جس سے حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔

و

(۷۳)

سر جھکا ہو بیٹھے قاتل پر کھنچی تلوار ہو

دل کا گاہک جان کا دشمن نہ تو اے یار ہو
خون ناحق کا کہیں کوئی نہ دعویدار ہو

ہاتھ میں خنجر لئے وہ ابروئے خمدار ہو[170]
ٹکٹکی باندھے ہوئی یہ حسرت دیدار ہو

صورت زیبا کسی کی جب مری غمخوار ہو
گوشۂ تربت مرا کیوں تنگ ہو یا تار ہو

تم حسینوں میں حسیں ہو یا گل گلزار ہو
مبتلا سے جب کھٹک رکھو تو نوک خار ہو

یاالٰہی پھر مرے دل پر نگاہ یار ہو
انتظار وصل میں جینا مجھے دشوار ہو

---

170 - خمدار: ٹیڑھا ترچھا، جھکا ہوا۔

وہ جمالِ حق نما ہو جائے گر پر تو فگن[171]

چشم بینا ہو ہماری ذات پر انوار ہو

صلح کل ہم ہو نہیں سکتے مگر اس شرط سے

ہاتھ میں سُبحہ ہو گردن میں پڑی زنار ہو[172]

تم جو دزدیدہ نگاہوں سے کبھی دیکھو مجھے

ناوک دلدوز سینہ کیا جگر کے پار ہو

تم سراپا ناز ہو ہم ہیں سراپا آرزو

کشمکش ہے کس طرح سے وصل آخر کار ہو

جیتے جی میں ہو رہا ہوں غرق اشک انفعال[173]

تا نہ میری لاش دوش اقربا پر بار ہو

تیرہ بختی نے دکھایا آہ یہ روز سیاہ[174]

یہ دل پر نور اور قیدی زلف یار ہو

---

171 -پر تو فگن: سایہ فگن۔

172 -☆سبحہ: تسبیح، مالا۔☆زنار: جنیو، وہ تاگا جو ہندو گلے اور بغل کے درمیان اور یہودی، مجوسی اور عیسائی کمر میں باندھتے ہیں۔

173 -اشک انفعال: گہرے تاثر پر نکلنے والا آنسو۔

174 -تیرہ بختی: بدنصیبی۔

دیگر

بانی جور و جفا ہو باعث آزار ہو
بے وفا ہو خود غرض ہو کس طرح کے یار ہو

اُس طرف ناوک دلدوز کی بوچھار ہو
اس طرف زخم جگر پر مرہم زنگار ہو[175]

ناامیدی یاس حسرت مونس و غمخوار ہو
فرط غم سے مبتلا کی کیوں نہ حالت زار ہو

یہ جزائے شرط ہے دل لو جگر لو جان لو
جو کہ چاہو لو مگر جب وصل پر تیار ہو

بندۂ تسلیم کی اس کے سوا حسرت نہیں
سر جھکا ہو پائے قاتل پر کھنچی تلوار ہو

ہستی افلاک کیا دوزخ پکارے الاماں
سوزش دل سے فغاں میری جو آتشبار ہو[176]

جل چکا سوز محبت سے سراپا آہ جب
پھر بھلا اس نور کو کیوں کر ہراس نار ہو[177]

---

175 ۔مرہم زنگار: ایک خاص قسم کا مرہم جو سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

176 ۔آتشبار: آگ برسانے والا۔

ی

(۷۴)

بزم دل محشر خاموش ہوئی جاتی ہے

اس کی رحمت جو خطا پوش ہوئی جاتی ہے
فرد اعمال فراموش ہوئی جاتی ہے

ہر ادا شرم سے روپوش ہوئی جاتی ہے
حسرت وصل ہم آغوش ہوئی جاتی ہے

داغہائے دل پرخوں جو ابھر آئے ہیں
قبر عشاق کی گلپوش ہوئی جاتی ہے

روز پیتی ہے لہو عاشق وارفتہ کا[178]
تیغ ابرو بڑی مے نوش ہوئی جاتی ہے

بے خودی میں کوئی حسرت ہے نہ ہنگامۂ شوق
بزم دل محشر خاموش ہوئی جاتی ہے

---

177 -ہراس نار: جہنم کا خوف۔

178 -وارفتہ: بے خود، بے قابو۔

خوب ہوتا ہے کہ سر کٹتے چلے جاتے ہیں
لاش بسمل کی سبکدوش ہوئی جاتی ہے

کیسی رفتار ہے مجھ کو نہیں کرتے پامال
حسرت دل تہ پاپوش ہوئی جاتی ہے

کیا غضب ہے مرا وعدہ کرو دشمن سے وفا
طرفہ بیداد ستم کوش ہوئی جاتی ہے

ایک وعدہ پہ ہوں سو جان سے قرباں اے جان
کاہش ہجر فراموش ہوئی جاتی ہے[179]

آہٹ ان کے اِدھر آنے کی جو پاتے ہیں
سمع اپنی ہمہ تن گوش ہوئی جاتی ہے

بے پئے کی ہے جوانی میں وہ مستی چھائی
ہر ادا آپ سے مدہوش ہوئی جاتی ہے

تیری آنکھوں کا اشارہ کہ جگر ہی ہو نثار
دل کی ہمت کہ ہم آغوش ہوئی جاتی ہے

مکتب عشق میں جس دن سے قدم رکھا آہ
اپنی ہستی بھی فراموش ہوئی جاتی ہے

179 ۔کاہش: تکلیف، صدمہ۔

(۷۵)

دل بھی مشتاق ہے جگر بھی ہے

میری آہوں میں کچھ اثر بھی ہے
او ستمگر تجھے خبر بھی ہے

خط ورخ پر کسی کی زلف آئی
ابر میں ہالہ بھی قمر بھی ہے

تیرا روگی نہیں ہوا اچھا
لب پہ ہے آہ چشم تر بھی ہے

لے کے دل کس ادا سے کہتے ہیں
آپ کے پاس نقد زر بھی نہیں

پھینکتا جا اِدھر بھی تیر افگن
دل بھی مشتاق ہے جگر بھی ہے

خط وعارض سے محو حیرت ہوں
ایک جا شام بھی ہے سحر بھی ہے

تیرے دندان ولب کو کیا کہئے
حقۂ لعل بھی گہر بھی ہے[180]

---

[180] حقہ: ڈبیہ جس میں جواہرات رکھے جاتے ہیں۔

آہ دونوں جلے محبت میں

ہے اِدھر سوز تو اُدھر بھی ہے

(۷۶)

کون جانے ترا میخانہ رہے یا نہ رہے

چشم مخمور کا دیوانہ رہے یا نہ رہے

خیر ساقی کی ہو مستانہ رہے یا نہ رہے

وصل کی شب دل دیوانہ رہے یا نہ رہے

سامنے شمع کے پروانہ رہے یا نہ رہے

ساقیا اتنی پلادے کہ نہ آئے پھر ہوش

کون جانے ترا میخانہ رہے یا نہ رہے

مجھ کو تصویر خیالی سے حضوری ہے مدام

طور پر جلوۂ جانانہ رہے یا نہ رہے

ہم تو بچپن سے ہم آغوش بتاں رہتے ہیں

فکر کیا دہر میں بت خانہ رہے یا نہ رہے

جل چکا سوز محبت سے تو پروانہ رہی

خاک ہو کر مرا کاشانہ رہے یا نہ رہے

تم جو مل جاؤ کسی چیز کی پروا کیسی

وصل میں ساغر و پیمانہ رہے یا نہ رہے

ذکر رہ جائے گا اس جور و ستم کا تیرے

آہ ناکام کا افسانہ رہے یا نہ رہے

(۷۷)

جو ضبط میں لذت ہے شکایت میں نہیں ہے

عاشق تپش عشق سے راحت میں نہیں ہے

وہ کیسی اذیت ہے جو فرقت میں نہیں ہے

بسمل نے دم نزع ترے تیر کو چوما

بوسوں میں جو لذت ہے وہ شربت میں نہیں ہے

دیدار کی حسرت میں چلی جان حزیں تک

انجام سوا اس کے محبت میں نہیں ہے

ہم کیا کہیں بیداد و مصیبت کو کسی سے

جو ضبط میں لذت ہے شکایت میں نہیں ہے

مرتے ہیں اس امید میں دیکھیں گے تمہیں ہم

سنتے ہیں کوئی روک قیامت میں نہیں ہے

مٹی میں ملا کے جو بلایا سر محشر
لاشہ ترے بیمار کا تربت میں نہیں ہے

صدمے وہ اٹھائے کہ مٹے حوصلے دل کے
اگلی سی امنگ آہ طبیعت میں نہیں ہے

(۷۸)

جو سودائے محبت تھا وہی خضر طریقت ہے

شکست رنگ عارض باعث افشائے الفت ہے
سر شک چشم گویا بزم میں سر حقیقت ہے[181]

ہمارے ان کے نبھنے کی بھلا اب کون صورت ہے
انہیں شکوہ ہمارا ہے ہمیں ان کی شکایت ہے

فلک بیداد گر شورش زمین عشق سے پیدا
نہ تاب ضبط نالہ ہے نہ امید سماعت ہے

گل عارض کا بلبل ، شمع محفل کا ہوں پروانہ
اُدھر لطف فغاں دل کو اِدھر سوزش میں لذت ہے

جنون عشق کے صدقے مکاں سے لامکاں لایا
جو سودائے محبت تھا وہی خضر طریقت ہے[182]

---

181 ۔سر شک: آنسو، قطرہ۔

یہ حسن خط و عارض عارضی احکام رکھتے ہیں
کبھی برق تپاں ہے اور کبھی گلزار جنت ہے

ستم پرور جفا جو سے کوئی اتنا تو پوچھ آئے
کسی کا دل دُکھانا فرض ہے واجب ہے سنت ہے

مری چھوڑی ہوئی بنت عنب تم کو ملی رندو
بڑی پیر مغاں نکلی یہی تو اس کی حرمت ہے

برنگ بو رہے آغوش گل میں آہ بچپن سے
مگر اب تو دل ناکام ہے یا خار حسرت ہے

پڑھو اے آہ پھر مطلع چلے اب دور مینائی[183]
ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے مے ہے اچھی صحبت ہے

دیگر

شب فرقت کسی کی یاد آنی وجہ راحت ہے
تصور چہرۂ زیبا کا قرآں کی تلاوت ہے

فنا کے بعد بھی باقی نشان سوز الفت ہے
حرارت سے دل عاشق کی روشن شمع تربت ہے

---

182 ۔خضر طریقت: رہبر، رہنما۔

183 ۔دور مینائی: شراب کا دور۔

تمنا حور کی ہم کو نہ کچھ ارمان جنت ہے
جہاں دیدار ہو تیرا وہیں عاشق کو راحت ہے
ترے تیر نظر کو ہم جگہ دیتے ہیں آنکھوں میں
ہجوم یاس وارماں سے جو دل کی تنگ وسعت ہے
جنازہ پر ہمارے جمع ہیں کل مونس و ہمدم
اِدھر ہے بے کسی غم میں اُدھر ماتم میں حسرت ہے
حسیں دل مجھ سے مانگیں میں نہ دوں یہ ہو نہیں سکتا
ازل سے حامل ناز و ادا میری طبیعت ہے
ہماری آرزوئیں صَرف اعداء آپ کرتے ہیں
کسی کا مال اور کوئی مزے لوٹے - قیامت ہے
مرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے جب یہ سنا میں نے [184]
کہ وہ بت بزم دشمن میں برابر گرم صحبت ہے
جوانی کی خوشی پیری کا غم مرنے کی جانکاہی [185]
مری عمر دو روزہ کی فقط اتنی حقیقت ہے

---

[184] - طوطے اڑنا: سخت بدحواس ہونا۔

[185] - جانکاہی: محنت، مشقت، تکلیف۔

محبت اصل ایماں ہے نہ سمجھا ہم کو اے ناصح
ہم ارباب طریقت ہیں تو مامور شریعت ہے

کبھی ہم بھی وطن میں تھے بہت اچھے چمن میں تھے
نہ تھا کچھ غم خبر کیا تھی کہ آگے قید غربت ہے

خیالی صورتیں اچھی سے اچھی دیکھ لیتے ہیں
مگر ارمان جس کا ہے وہ کوئی اور صورت ہے

نظر کیا پھر گئی ان کی زمانہ پھر گیا ہم سے
جدا دل ہے جگر ہے جاں ہے چین و راحت ہے

مری جاں اب نہ رؤو آہ کو مرتا ہے مرنے دو
دعا سے یاد رکھنا آخری اتنی وصیت ہے

(۷۹)

نہ پائی گرد نالوں نے اثر کی

کسی کو کیا خبر درد جگر کی
تڑپ کر آہ ہم نے شب بسر کی

چھری کھاتے جو دزدیدہ نظر کی
نکلتی حسرتیں خستہ جگر کی

ہوئی صبح قیامت وصل کی شب
کشاکش میں نقاب رخ جو سر کی

اسیران قفس کو پوچھتا کون
خبر صیاد نے لی بال و پر کی

کرے گی صبح وصلت ذبح کیوں کر
تھکی ماندی ادا ہے رات بھر کی

نشیلی آنکھ مستانہ ادائیں
قیامت شوخیاں ترچھی نظر کی

کوئی بسمل کوئی گھائل پڑا ہے
خبر لیں دل کی یا اپنے جگر کی

چرا لیں دل یہ دزدیدہ نگاہیں
مگر اچھی نہیں چوری نظر کی

تڑپتا ہی رہا بسمل ہمیشہ
پڑی تلوار اوچھی چارہ گر کی[186]

نگاہ ناز سے دیکھا ہمیں جب
اشاروں میں بلائیں لیں نظر کی

شب فرقت کی طولانی نہ پوچھو[187]
قیامت آہ ہمدم ہے سحر کی

---

186 ۔اوچھی: نامناسب، نازیبا، ٹیڑھی، ترچھی۔☆چارہ گر: تدبیر کرنے والا، مشکل کو آسان کرنے والا۔

187 ۔طولانی: درازی۔

(۸۰)

آسماں تک شرر گئے ہوتے

تیر دل میں اتر گئے ہوتے
دیکھنے والے تر گئے ہوتے

تم اگر قبر پر گئے ہوتے
مرنے والے تو تر گئے ہوتے

مکتب عشق کا تقاضا تھا
وہ جدھر ہم اُدھر گئے ہوتے

توڑ کر تختہ ہم نکل آتے
تم اگر قبر پر گئے ہوتے

ضبط نالہ سے کام ہے ورنہ
آسماں تک شرر گئے ہوتے

ایک دو جام بھی اگر پیتے
شیخ صاحب سدھر گئے ہوتے

مرتے دم حسرتیں نکلتیں آہ
وہ جو آکر ٹھہر گئے ہوتے

(۸۱)

بہت غمناک میری داستاں ہے

نہ نالہ ہے نہ فریاد و فغاں ہے
زباں پر ایک لفظ پی کہاں ہے

یہ دل پروانہ ہے وہ شمع جان ہے
جلانے کو فقط لو درمیاں ہے

سرشک چشم ہے دل ناتواں ہے
شب فرقت مگر ضبط فغاں ہے

سنا ہے آج قاتل مہرباں ہے
سر مقتل ہمارا امتحاں ہے

نہ پوچھو تم مرے دل کا ٹھکانہ ہے
خدا جانے ستم دیدہ کہاں ہے

بتا قاصد انہیں کے ہیں یہ الفاظ
جھجک سے تو تری کچھ اور عیاں ہے

سکوں کیسا کہاں کا صبر دل کو
ترا لوٹا ہوا یہ خانماں ہے[188]

چلا جھرمٹ میں ارمانوں کے یہ دل
ترے کوچہ میں شاید امتحاں ہے

نہ پوچھیں راز حسن و عشق احباب
خموشی میں مری سب کا بیاں ہے

مرا دل ہو کہ تیرا تیر ہر ایک
علیٰ قدر مراتب خوں چکاں ہے

جلا ہوں حسن عالم سوز سے میں
مرا جو ذرہ ہے برق تپاں ہے

ارے تم جا، نہ ہو غماز میرا
سرشک چشم تو تو رازداں ہے

نکالیں حسرتیں کیا وصل کی شب
ادب مانع نزاکت پاسباں ہے

محبت نے مٹایا آہ ایسا
پتہ میرا نہ تربت کا نشاں ہے[189]

---

[188]-خانماں: گھر، مال و متاع۔

(۸۲)

کُن کی وسعت کو سمجھنا چاہئے

طاق ابرو کا اشارا چاہیے
بندگی میں سر جھکانا چاہیے

دل میں عاشق کے بھی آنا چاہیے
اپنے گھر میں بھی اجالا چاہیے

تیغ و خنجر دل پہ کھانا چاہیے
عاشقی کا لطف اٹھانا چاہیے

تُل گیا ہے تیغ ابرو کھینچ کر
آگئی کس کس کی دیکھا چاہیے

ہم ذبیح تیغ ابرو ہو چکے
مرغ بسمل سا تڑپنا چاہیے

ہو گئی دو حرف میں کل کائنات
کن کی وسعت کو سمجھنا چاہیے

جان دینی آہ کچھ مشکل نہیں
پیاری آنکھوں کا اشارا چاہیے

---

[189] -بیاض میں اس غزل کے اوپر بگھونی لکھا ہوا ہے، غالباً بگھونی (نزد تاجپور ضلع سمستی پور بہار) میں کسی طرحی مشاعرہ کے موقعہ پر یہ غزل کہی گئی۔

(۸۴)

قابل تعظیم ہے اٹھتی جوانی آپ کی

چڑھ رہی ہے اب جوانی پر جوانی آپ کی
ہے امنگوں پر مراد و کامرانی آپ کی

کیوں نہ ٹھہرے باعث شہرت جوانی آپ کی
ہو رہی ہیں کل ادائیں مست جانی آپ کی

مر گیا میں ہجر میں اور آپ آئے تک نہیں
دیکھ لی میں نے بھی حضرت مہربانی آپ کی

شوق کہتا ہے کہ چل اور دل یہ کہتا ہے کہ تھم
ہوگئی اس کشمکش میں پاسبانی آپ کی

پہلوئے عاشق میں جب وہ بت نہیں تو ناصحا
کیا کریں گے لے کے حوریں آسمانی آپ کی

آہ فرقت میں مریں اور آپ غیروں میں رہیں
واہ صاحب دیکھ لی الفت زبانی آپ کی

(۸۴)

دیکھو تو ہم اس ہجر میں کیا کیا نہ کریں گے

الفت کے کسی راز کو افشانہ کریں گے
مر جائیں گے لیکن تمہیں رسوانہ کریں گے

قائم ہیں اسی عہد پہ ہم روز ازل سے
اغیار کو تیرے کبھی چاہانہ کریں گے

جس دل میں رہے درد فقط آپ کا اے جان
اس دل کی دوا آکے مسیحا نہ کریں گے

منظور اگر قتل ہے کیوں دیر ہے صاحب
سر دینے میں ہم عذر ذراسانہ کریں گے

اغیار کا عشق آہ ہمیں ہو نہیں سکتا
ہم دل کو گذر گاہ بنایانہ کریں گے

(۸۵)

ستم ہر رات ہوتے ہیں جفا ہر روز ہوتی ہے

امید زیست کیا دل میں تپش ہر روز ہوتی ہے
جو ہوتی ہے محبت کی بلا جاں سوز ہوتی ہے

کبھی بھولے سے مجھ کو خواب میں صورت جو دکھلائی
گلے مل مل کے دشمن سے معافی روز ہوتی ہے

ادا کی تیغ کھنچتی ہے ستم کے تیر چلتے ہیں
نگاہ قہر آلودہ بھی کیا دلدوز ہوتی ہے

بلایا بھی تو بزم غیر میں مجھ کو بلایا ہے
تلافی بھی ستم کی آہ کیا جاں سوز ہوتی ہے

نکل کر بیٹھ جانا ہے کرشمہ نارسائی کا
فغاں میری جو ہوتی ہے وہ غم اندوز ہوتی ہے

دبستان محبت کی سند رکھتا ہے دل میرا
یوں ہی کیا ہجر میں فریاد ادب آموز ہوتی ہے

غضب کی ٹیس ہوتی ہے ٹپک پڑتے ہیں آنسو بھی
یہ کس کی یاد فرقت میں مری دل سوز ہوتی ہے

جوانی کی امنگیں پیٹ کر سر رونے لگتی ہیں
بلائے یادِ گیسو آ کے جب فیروز ہوتی ہے[190]
گرفتارِ محبت کا نہیں غمخوار ہے کوئی
مگر بے تابیِ دل ہی فقط دل سوز ہوتی ہے
جو دل ہی چوٹ کھا جائے تو آہ آنسو نہیں تھمتے
جو ہوتی ہے لگی دل کی وہ تسکیں سوز ہوتی ہے

---

190 ۔فیروز: ظفریاب، فتح مند، کامیاب۔

(۸۶)

ایسی پردرد آہ کس کی ہے

آج دل پر نگاہ کس کی ہے
یہ چھری بے پناہ کس کی ہے

مرحبا آفریں محبت کو
یاد شام و پگاہ کس کی ہے[191]

ٹکڑے ٹکڑے دل و جگر ہونگے
سنبھلو سنبھلو یہ چاہ کس کی ہے

خون ناحق کیا ہے کس کس کا
چشم مے گوں گواہ کس کی ہے

میرے نالوں کو سن کے وہ بولے
ایسی پر درد آہ کس کی ہے

دیکھ کر خواب محو حیرت ہوں
شکل یہ حسب خواہ کس کی ہے

---

191 - پگاہ– صبح، سحر۔

ہائے بے چین رہتے ہو کیوں تم

سچ بتاؤ کہ چاہ کس کی ہے

رنگ لائی حنا قیامت میں

خون کس کا گواہ کس کی ہے

دشت غربت میں کیوں پڑے ہو آہ

بڑھ کے دیکھو وہ راہ کس کی ہے

(۸۷)

دل کے شرارے نہ گئے

آہ ہم قید کے مارے نہ گئے
ولولے دل کے ہمارے نہ گئے

یہ شباب اور غضب کی شوخی
اب بھی بچپن کے طرارے نہ گئے [192]

اے فلک تجھ کو جلادیتے ہم
کیا کہیں دل کے شرارے نہ گئے

ٹکٹکی باندھ کے دیکھا ہم کو
ہجر کی شب یہ ستارے نہ گئے

کرلیا وصل کا وعدہ لیکن
غیر سے ان کے اشارے نہ گئے

اشک سے بہہ گیا عالم سارا
تیرے کوچے میں یہ دھارے نہ گئے

کردیا نذر دل وجاں لیکن
ناروا جور تمہارے نہ گئے

---

[192] ۔طرارہ: چوکڑی، جست، چابلاپن، چھلانگ۔

یہ بھی تقدیر کی خوبی ہے آہ

ان کے کوچہ سے گذارے نہ گئے

(۸۸)

ہائے اک نا آشنا کے آشنا ہم ہوگئے

کیا کہیں ہم کیوں گرفتار بلا ہم ہوگئے

خط و گیسو میں الجھ کر نارسا ہم ہوگئے

کچھ نہ دیکھا کچھ نہ سمجھے مبتلا ہم ہوگئے

ہائے اک نا آشنا کے آشنا ہم ہوگئے

پاک تھے عقل ہیولانی سے تو تھے عقل کل

کیا عجب جو شاہد قالوا بلیٰ ہم ہوگئے[193]

193 - عقل ہیولانی: ہیولیٰ یونانی زبان میں ہر چیز کے مادہ اور اصل کو کہتے ہیں، اور فلاسفہ کے یہاں ہیولیٰ عقل کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، ہیولائے اول ان کے نزدیک جوہر اول اور عقل اول کو کہتے ہیں، ان کے خیال میں کائنات کی اصل عقول عشرہ ہیں جن کو رب کائنات نے بالترتیب سب سے پہلے پیدا فرمایا۔۔۔

عقل ہیولانی: سے مراد معقولات کے فہم وادراک کی بالکل ابتدائی درجہ کی صلاحیت جس میں انسان قوت عمل سے محروم ہو، جیسا کہ عہد طفولیت میں ہوتا ہے، جہاں صرف تصور ہی تصور ہوتا ہے تصدیق اور عمل کا کوئی خاکہ موجود نہیں ہوتا (التعريفات ص ۴۹ ج ۱ المؤلف : علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى : 816ھ)۔۔۔۔اس منزل سے پہلے انسان ہر تمیز واختیار سے ماوراء ہوتا ہے، اور بے اختیار اپنے خالق کی مرضی کا پابند ہوتا ہے، بظاہر عقل وفہم سے محروم لیکن سراپا اطاعت ہونا ہی بندہ کی اصل فطرت اور سب سے بڑی دانشمندی ہے، اور اسی کی بدولت انسان رب کائنات کی زیارت کا متحمل ہوا اور قالوا بلی کا مشاہد بنا، ورنہ کیا معلوم مادی عقل کی آمیزش کے بعد (خدا نخواستہ) انکار کی جسارت کر بیٹھتا۔۔۔

جل گیا سوز دروں سے جب حجاب آرزو
پردہ دار عشق بے چون وچرا ہم ہو گئے

عرض وجوہر سے مبرا ہیں منزہ جنس سے
مٹ گیا داغ تشخص باصفا ہم ہو گئے

ٹکٹکی باندھے رہے ہم حسرت دیدار میں
جان دے کر دیدۂ عبرت نما ہم ہو گئے

کیا اشارہ ہو ہماری ہستی موہوم پر
انگلیاں کیوں کر اٹھیں جب باخدا ہم ہو گئے

خاک ہو کر ہم سیہ کاروں کا ہوتا ہے عروج
سرمہ سا پس کر نگاہوں تک رسا ہم ہو گئے

بلبل باغ قدم پروانۂ شمع جمال
ضبط نالہ، سوز دل سے کیا سے کیا ہم ہو گئے

نیز اس شعر میں یہ معنٰی بھی پوشیدہ ہے کہ جب تک انسان اپنی اصل سے باخبر نہ ہو اپنے بارے میں خوش گمان ہوتا ہے، لیکن پردۂ حقیقت کھلنے کے بعد ساری خوش فہمیاں ہوا ہو جاتی ہیں، انسان اگر عہد الست کا خیال کرے تو اپنے کو حد درجہ پابند سلاسل محسوس کرے گا، اور اس تصور سے غافل ہو جائے تو خواہشات نفس کا اسیر بن کر رہ جائے گا۔۔۔

اس شعر میں عشق کی معنویت کی طرف بھی اشارہ ہے، معروف تصور کے مطابق روز الست میں ہر جوڑے کو ساتھ کھڑا کیا گیا تھا، عجب نہیں ہمارا عشق یوم الست میں شرکت کی علامت ہو، اور عشق ایسی بلائے بے درماں ہے، کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد بڑی سے بڑی عقل وذہانت بھی معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔

قید تنہائی ہمارے حق میں اچھی ہوگئی
خلوت توحید میں سب سے جدا ہم ہوگئے

جب شراب بے خودی ہم سیر ہو کر پی چکے
سالک راہ ہدیٰ کے پیشوا ہم ہوگئے

تھے وجود رابطی سے بھی ضعیف اے آہ ہم[194]
حامل بار امانت کیوں بھلا ہم ہوگئے

---

194 -وجود رابطی: فلاسفہ کی اصطلاح میں دو چیزوں کے درمیان ایسا وجودی رشتہ جو محض دونوں کے درمیان رابطے کا کام دے لیکن اس کا اپنا کوئی مستقل مفہوم نہ ہو، وجود رابطی کہلاتا ہے، یہ وجود کا سب سے کمزور درجہ ہے:

والثانی وجوده لغیره بان یکون رابطاًبین الموضوع والمحمول وغیر مستقل بالمفہومیۃ ویسمیٰ وجوداً رابطیاً

(موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون ج ۲ ص ۱۷۷۰ علامہ محمد اعلی تھانویؒ ط مکتبہ لبنان بیروت ۱۹۹۶ء)

صوفیا اور اہل معرفت کے نزدیک انسانی وجود محض وجود باری کی معرفت کا ذریعہ ہے، وجود باری کے انکشاف کے بعد وجود انسانی کالعدم ہو جاتا ہے، اسی کو بعض صوفیاء وحدۃ الوجود سے بھی تعبیر کرتے ہیں، مشہور صوفی بزرگ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے: علم توحید وجود الٰہی کے ماسوا ہر وجود کی نفی کرتا ہے۔

(التعریفات ص ۸۳ ج ۱ المؤلف : علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى : 816هـ)

غرض انسانی وجود انتہائی کمزور ہے جس کو صحیح معنیٰ میں وجود کہنا بھی مشکل ہے، جس کے ہر سمت میں فنا ہی فنا ہے، اس قدر کمزور وجود کو بار امانت کی ذمہ داری دینا اللہ پاک کا کتنا بڑا انعام ہے۔

(۸۹)

کیا تم لب اعجاز مسیحا نہیں رکھتے

اس دور میں ہم طبع شگفتہ نہیں رکھتے
پامال حوادث ہیں کہ دنیا نہیں رکھتے

بسمل تری بیداد کا شکوہ نہیں رکھتے
مر کر بھی کبھی خون کا دعوا نہیں رکھتے

پہلو میں جو ہم درد تمہارا نہیں رکھتے
جینے کا شب ہجر سہارا نہیں رکھتے

مرنے کی تمنا ہے نہ جینے کی ہوس ہے
ممکن کے لوازم تو ہم اصلا نہیں رکھتے

جلوہ وہ قیامت کا دکھایا ہے کسی نے
جو پردہ نشیں تھے وہ بھی پردہ نہیں رکھتے

وہ درد ہے پہلو میں وہ سوزش ہے جگر میں
دنیا میں دوا جس کی اطبا نہیں رکھتے

وہ زلف جو ہے یاد ہمیں شام ازل کی
ہم سر میں کسی غیر کا سودا نہیں رکھتے

کیوں چھیڑ ہے زخموں سے مرے نوک مژہ کو[195]
جب مرہم زنگار کا پھایا نہیں رکھتے

منزل گہہ مقصود بہت دور ہے لیکن
اس رہ کے مسافر کوئی خطرا نہیں رکھتے

جب سے دل پر شوق ہے پامال تصور
آنکھوں میں بھی ہم غیر کا جلوا نہیں رکھتے

اسلام کے پابند ہیں آزاد جہاں میں
بت خانہ نہیں رکھتے کلیسا نہیں رکھتے

سرشار کیا جام محبت نے کسی کے
اب ہم طلب ساغر و مینا نہیں رکھتے

کھلتے نہیں اسرار محبت کے تمہاری
ہمراز تمہارے لب گویا نہیں رکھتے

کانٹوں کی تواضع کو ہیں پانی کے پیالے
ہم دشت نورد آبلۂ پا نہیں رکھتے

جس دل میں فقط درد ہو اے آہ کسی کا
اس دل کی دوا حضرت عیسیٰ نہیں رکھتے

---

195 ۔مژہ: پلک۔

(۹۰)

جاتی ہے قضا دوڑی مسیحا کو بلانے

آتے ہو شب وعدہ فقط ہم کو ستانے
اغیار کی تصویر جو لاتے ہو دکھانے

کہتا ہے مرا حال جو کوئی کبھی ان سے
کہتے ہیں سنے ہم نے بہت ایسے فسانے

اک وصل میں سو بار مزے موت کے آئے
مارا کبھی شوخی نے کبھی ان کی حیا نے

آئے ہو عیادت کو تو کیوں کوس رہے ہو
یٰسین پڑھو بیٹھ کے میت کے سرہانے

اک ٹیس ہوا کرتی ہے راتوں کو جگر میں
اک یاد چلی آتی ہے سوتے کو جگانے

آنسو نہ تھمے ہائے شب ہجر ہمارے
سونے نہ دیا آہ نے نالے نے بکانے

اغیار سے ملنے کی تو سو راہ نکالی
ظالم نے ہمیں ٹال دیا کر کے بہانے

جاتا تو ہے قاصد لئے پیغام وفا کا

دیکھیں وہ جفاکار بھی مانے کہ نہ مانے

فرمان دیا عشق کا ہر فرد نے ہم کو

استاد نے مرشد نے پیمبر نے خدا نے

سنتے ہیں وہ فریاد و فغاں کان لگا کر

اتنا تو دکھایا ہے اثر میری دعا نے

شیرازۂ دل آہ مرا یوں بکھر گیا

جیسے کہ ہوں بکھرے ہوئے تسبیح کے دانے

(۹۱)

رفتہ رفتہ تری رفتار قیامت ہوگی

جس کو اس شوخ ستمگر سے محبت ہو گی
ہجر کا رنگ قیامت کی مصیبت ہو گی

آہؔ غمگین پہ جب اللہ کی رحمت ہو گی
خود بخود پہلو میں وہ چاند سی صورت ہو گی

اپنے وعدہ سے مکرنا نہیں اچھا صاحب
ایسی باتوں سے تمہیں جھوٹ کی عادت ہو گی

وہ نہ آئے تو نہ آئیں عیادت کو میری
ہاں یہی نا دل رنجور کو حسرت ہو گی

جو لگائی ہے رقیبوں نے اسے کہہ ڈالو
دور ہو جائے گی جو دل میں کدورت ہو گی

آہؔ کو حشر میں کافی ہے سہارا ان کا
ساری امت کے لئے جن کی شفاعت ہو گی

(۱۹۱۶ء میں یہ کلام بزم سخن میں شائع ہوا)

(۹۲)

حور کے دامن میں چھانی جائے گی

جب خوشامد سے نہ مانی جائے گی
دوسری تدبیر ٹھانی جائے گی

مر مٹوں کو کیا مٹائے گا فلک
حشر تک ان کی کہانی جائے گی

بت چلے جاتے ہیں کعبہ کی طرف
آج منت کس کی مانی جائے گی

حسن پر اتنا غرور اچھا نہیں
چار دن میں یہ جوانی جائے گی

دست قاتل میں دکھائے گی بہار
خون میں مہندی جو سانی جائے گی

سن کے فرقت کی مصیبت یہ کہا
قبر تک یہ نوحہ خوانی جائے گی

ضعف کا میرے نہیں ممکن علاج
جان لے کر ناتوانی جائے گی

آہ فکر آخرت اب چاہئے
رائگاں ورنہ جوانی جائے گی (یہ کلام بھی شائع شدہ ہے)

(۹۳)

خداوند عالم کی عنایت پر نظر رکھے

رہ الفت میں لازم ہے قدم کو سوچ کر رکھے
یہ وادی پر خطر ہے اس میں ہیں لاکھوں ضرر رکھے

اٹھادیں دشمنوں کو ہم کو پہلو میں بٹھالیں وہ
شب فرقت ہماری آہ گر کچھ بھی اثر رکھے

لگائی عشق نے وہ آگ جس سے جل گیا عالم
کہیں ممکن ہے یہ سوزش بھلا کوئی شرر رکھے

برستے ہیں ترے تیر نگہ لاکھوں میں حیراں ہوں
اکیلا دل جو رکھے تو کہاں رکھے کدھر رکھے

اٹھادے پردۂ پندار پی لے جام وحدت کا
ذرا آ دیکھ کیا کیا اس میں ہیں لعل و گہر رکھے

رقیبوں کو تمہارے عشق کا دعویٰ تو ہے لیکن
کہاں ہے وہ جو آہ نارسا کا سا جگر رکھے

(۹۴)

اک سکوں ہوتا ہے جب درد جگر ہوتا ہے

آہ و نالے کا ہمارے یہ اثر ہوتا ہے
آگ لگتی ہے ہر اک زیر وزبر ہوتا ہے

ناوکِ ناز کا تیرے یہی گھر ہوتا ہے
میرا دل ہوتا ہے یا میرا جگر ہوتا ہے

آنکھ کی خیر منائیں کہ خبر لیں دل کی
دورخا آپ کا ہر تیر نظر ہوتا ہے

خوگر درد کو بے درد نہیں آتا چین
اک سکوں ہوتا ہے جب درد جگر ہوتا ہے

مہر طلعت کی وفا میں ہے ستم بھی شامل[196]
رات کو آتا ہے تو شور سحر ہوتا ہے

ادب آموز محبت ہیں ہماری آنکھیں
فرش ہوتی ہیں مقابل وہ اگر ہوتا ہے

غیر کی یاد جو کرتا ہوں کبھی بھولے سے
جلوۂ یار مرے پیش نظر ہوتا ہے

---

196 ۔مہر طلعت: حسین خوبصورت، سورج جیسی شکل والا، محبوب و معشوق۔

یاد میں اس کی نکلتا ہے جو خونابۂ دل[197]
قطرۂ اشک مرا لعل و گہر ہوتا ہے

خاک ہونے کا محبت سے ملا پروانہ
تیرا دیوانہ بس اب خاک بسر ہوتا ہے

چونک کر پوچھتے ہیں باعث شیون میرا
رائگاں نالے نہیں ہوتے اثر ہوتا ہے

لاابالی ہے ازل سے ہی طبیعت میری
جو حسیں ہوتا ہے منظور نظر ہوتا ہے

جذب کامل ہے تو رہتی ہے حضوری ہر دم
ربط والوں کے وہ خود پیش نظر ہوتا ہے

چاہتا ہوں کہ رکھوں دل میں ترا تیر نظر
کیا کروں آہ یہی سینہ سپر ہوتا ہے

---

197 ۔خونابہ: خالص خون۔

(۹۵)

یہ دنیا مری دیکھی بھالی ہوئی ہے

کرم کر تری شان عالی ہوئی ہے
مری اب بہت خستہ حالی ہوئی ہے

مرے دل کی جب پائمالی ہوئی ہے
کفِ پائے جاناں میں لالی ہوئی ہے

اُدھر شکل زیبا نرالی ہوئی ہے
طبیعت اِدھر لا ابالی ہوئی ہے

جھکی جس طرف ہو گئے لاکھوں بسمل
نظر تیری فوج کمالی ہوئی ہے

تری عین حکمت کو دیکھا ہے ہم نے
طبیعت تھی رازی غزالی ہوئی ہے[198]

---

[198] -☆رازی: امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازیؒ (ولادت ۵۴۴ھ م ۱۱۵۰ء - وفات ۶۰۶ھ م ۱۲۱۰ء) امام رازیؒ گو کہ ہر فن میں ید طولیٰ حاصل تھا، چنانچہ تفسیر، حدیث، اصول فقہ، علم کلام مختلف فنون میں آپ کی بے نظیر تصنیفات موجود ہیں، لیکن ان پر عقلیات کا غلبہ تھا، جن کی جھلک ان کی تصانیف میں واضح طور پر موجود ہے۔

☆غزالی: حجۃ الاسلام ابو حامد امام محمد بن محمد الغزالیؒ (ولادت ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء - وفات ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء) امام غزالیؒ کا رجحان پہلے فلاسفہ کی طرف تھا لیکن بعد میں تصوف و علم الاخلاق کے امام ہوئے، اور فلاسفہ کے رد میں تہافت الفلاسفۃ اور مقاصد الفلاسفۃ جیسی اہم کتابیں تحریر فرمائیں۔۔۔

قیامت سے پہلے اسے دیکھتے ہیں
مقدم مقدم پہ تالی ہوئی ہے[199]

کوئی ماہرو بے نقاب آگیا کیا
اندھیری جو تھی رات اجالی ہوئی ہے

گیا تھا یہ دل ان کو مہندی لگانے
اسی چال سے پائمالی ہوئی ہے

ستاتی ہے مجھ کو یہ آکر ہمیشہ
شب ہجران کی جگالی ہوئی ہے[200]

ازل میں جو صورت کہ دیکھی تھی ہم نے
وہی آج دل میں خیالی ہوئی ہے

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ان کی طبیعت پر پہلے رازی یعنی تعقل پسندی کا غلبہ تھا لیکن اب غزالی یعنی تصوف وروحانیت اور علم الاخلاق کے وہ اسیر ہو چکے ہیں۔

199 -مقدم وتالی: منطق کی اصطلاح میں جن مقدمات کی ترکیب سے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں ان میں مقدمۂ اول کو مقدم اور دوسرے کو تالی کہتے ہیں، شاعر حیران ہے کہ قیامت تو محبوب کی آمد سے برپا ہوتی ہے، یہاں قیامت سے قبل ہی ان کی آمد مقدم وتالی کے اصول کے خلاف ہے،۔۔۔۔۔۔اس اصطلاح کے استعمال سے شعر کافی معنیٰ خیز ہو گیا ہے: محبوب کا سراپا قیامت خیز بھی ہے، زندگی میں اس سے وصل کی امید بھی نہیں ہے، قیامت کے دن ہی شاید اس کی زیارت ہو سکے ، پھر اچانک اس کی حیرت انگیز عنایت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

200 -جگالی: جانوروں کا اپنے معدے سے چارہ کو منہ میں نکال کر دوبارہ چبانا۔

امارت سے مجھ کو سروکار ہے کیا
طبیعت ہی غربت کی پالی ہوئی ہے

کہاں جاتی آکر رہی میرے گھر میں
شب غم عدو کی نکالی ہوئی ہے

نہ لو آہ سے لن ترانی کی ہرگز [201]
تمہاری ادا دیکھی بھالی ہوئی ہے

201 ۔لن ترانی: خودستائی، شیخی، تعلی، ڈینگ بازی، اس میں اگلے مصرعہ "تمہاری ادا دیکھی بھالی ہوئی ہے" سے لن ترانی کی معنویت اور بڑھ گئی ہے۔

(۹۶)

عشق کیا ہے موت کا پیغام ہے

شہرۂ حسن و محبت عام ہے
اک ہمارا اور تمہارا نام ہے

یہ کسی کے عشق کا انجام ہے
دور ہم سے چین ہے آرام ہے

چاہ دل میں لب پہ تیرا نام ہے
دیر و کعبہ سے ہمیں کیا کام ہے

ساقیا آجا کہ وقت شام ہے
میکدہ ہے دخت زر ہے جام ہے

اب نگاہ لطف ہو یا قہر ہو
ہم کو تو بس بندگی سے کام ہے

کیوں نہ فرقت میں مزے آئیں ہمیں
دل ہمارا خوگر آلام ہے

دل کے بدلے سینکڑوں غم مل گئے
لوگ کہتے تھے برا انجام ہے

مصحف رخسار پر زلفیں نہیں
کفر کے نیچے چھپا اسلام ہے

منہ لگایا خود جناب شیخ نے
دختر زر تو مفت میں بدنام ہے

اک پیالے میں کھلی کل کائنات
جام جم سے بڑھ کے مے کا جام ہے

جب جبیں دیکھیں تو زلفیں دیکھ لیں
صبح کے کچھ بعد ہی تو شام ہے

ہم ازل سے جس کے متوالے بنے
وہ نگاہ مست مے آشام ہے

فال نکلی خط و عارض دیکھ کر
کفر میں گھیرا ہوا اسلام ہے

مصحف رخ صید گاہ دل ہوا
خال کا دانہ ہے خط کا دام ہے[202]

کون ہوتا واقف اسرار عشق
یہ سرشک چشم ہی نمام ہے[203]

---

[202] -خال: تل۔ خط: مرد کے چہرہ پر نیا نکلنے والا سبزہ۔

ہو چکا تم پر ازل میں جو نثار
وہ یہی آہ حزیں گمنام ہیں

---

203 ۔ نمام: چغل خور، مخبر۔

(۹۷)

تمہاری یگانگی بے سبب معلوم ہوتی ہے

تہ کاکل جبین یار جب معلوم ہوتی ہے[204]
حبش کے سایہ میں شکل حلب معلوم ہوتی ہے[205]

ازل سے ایک صورت منتخب معلوم ہوتی ہے
کہ جس کی دیر وکعبہ میں طلب معلوم ہوتی ہے

زمانہ اس پہ شیدا عالم اس کا ہوگیا بسمل
ادا انکی کڑی چتون غضب معلوم ہوتی ہے

کسی کے سامنے رہتا ہے نقشہ یاس وحسرت کا
کسی کی صورت عیش وطرب معلوم ہوتی ہے

کوئی آئینہ ہے یا جام جم یا شیشۂ دل ہے
کہ اس میں صورت چین وعرب معلوم ہوتی ہے

---

204 -کاکل: سر کے آگے بڑے بڑے لٹکے ہوئے بال، زلف، گیسو، لٹ۔☆جبین: پیشانی۔

205 - حبش: افریقہ کا ایک ملک، ایتھوپیا، یہاں کے لوگوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔☆حلب: ملک شام کا مشہور اور مبارک شہر، کہتے ہیں کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام دودھ دوہ کر غریبوں میں تقسیم فرماتے تھے، اسی لئے یہ حلب کے نام سے مشہور ہوگیا، اس خطہ کے لوگ انتہائی خوبصورت اور صحت مند ہوتے ہیں(معجم البلدان ج ۲ ص ۱۰۱ المؤلف : شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الحموي (المتوفى : 626هـ)

لپٹ کر دست وپا سے کر دیا بے دست وپا ان کو
یہ بازاری حنا تو بے ادب معلوم ہوتی ہے

کسی کی زلف کا سودا ہوا ہے جان کا گاہک
بڑی الجھن ہمیں فرقت کی شب معلوم ہوتی ہے

تمہاری نذر سب کچھ کر چکے جب تنگدستی میں
بڑی وسعت ہمارے دل میں اب معلوم ہوتی ہے

حسینوں سے محبت فرض وواجب ہم نہیں کہتے
جوانی میں مگر ہاں مستحب معلوم ہوتی ہے

ترے کوچے میں جا بیٹھیں نکلنا سخت مشکل ہے
یہ حسرت بھی زمیں بوس ادب معلوم ہوتی ہے

جناب شیخ کو بھی کر لیا ہے اپنا دیوانہ
پرانی بد چلن بنت عنب معلوم ہوتی ہے

نظارہ اس کے رخ کا چاہتے ہو آہ گھر بیٹھے
قیامت کی تمہاری یہ طلب معلوم ہوتی ہے

(۹۸)

ہم سر حشر تماشا کرتے

تم لب بام نہ آیا کرتے
سارے عالم کو نہ شیدا کرتے

وا جو آغوش تمنا کرتے
ان کو پہلو ہی میں دیکھا کرتے

دیکھ کر ان کو نہ شکوا کرتے
ہم سر حشر تماشا کرتے

تم تو وعدہ نہیں ایفا کرتے
پھر بھلا حوصلہ ہے کیا کرتے

دل کے ارماں چھپائے نہ گئے
ورنہ تم اور مجھے رسوا کرتے

تیغ ابرو کے دکھادو جوہر
یوں تو بسمل نہیں تڑپا کرتے

خود سنبھلتے کہ بچاتے دل کو
ہدف تیر تھے کیا کیا کرتے

حشر میں بھی نہ ملا وہ قاتل
کس پہ ہم خون کا دعوا کرتے

اپنے دل میں جو پاتے ہم
دیر و کعبہ میں نہ ڈھونڈھا کرتے

جذب دل کھینچ کے لائے گا انہیں
خود نہیں آتے تو اچھا کرتے

خود غرض کاش نہ ہوتے یہ حسیں
چاہنے والوں کو چاہا کرتے

ہوتی قسمت جو ہماری اچھی
وہ ہمیں ہم انہیں دیکھا کرتے

کون سی بات تھی آتے جاتے
اپنے بیمار کو اچھا کرتے

تم جو قاتل ہو تو بسمل ہیں ہم
کیوں نہیں کام قضا کا کرتے

وعدۂ وصل سے انکار نہ کر
جھوٹ قسمیں نہیں کھایا کرتے

ان کی تصویر جو مل جاتی آہ
ٹکٹکی باندھ کے دیکھا کرتے

(۹۹)

نظر بند محبت ہے اسیر دام کاکل ہے

شب فرقت جو عاشق کو خیال زلف و کاکل ہے
فغاں ہے آہ ہے نالے ہیں اشکوں کا تسلسل ہے

گلوں میں رنگ باقی ہے نہ اب فریاد بلبل ہے
تمہارے حسن کا شہرہ ہمارے عشق کا غل ہے

خیال گیسو و افشاں میں کچھ ایسا توغل ہے[206]
کہ قطروں سے مرے آنسو کے تازہ برگ سنبل ہے

ہوئیں مخمور آنکھیں نشۂ الفت سے جب میری
نہ شوق جام و ساغر ہے نہ ارمان گل و مل ہے[207]

ستم کا جور کا بیداد کا شکوہ نہیں کرتے
ہماری یہ خموشی ہے ہمارا یہ تحمل ہے

جوانی آدھمک پہونچی لڑکپن ہو چلا رخصت
مزاج یار بگڑا ہے زمانے کا تداخل ہے

---

206 ۔توغل: لگن اور دھن

207 ۔مل: شراب

ہوا ہوں مست و بے خود میں کسی کی یاد میں ایسا
مؤذن کی صدا کانوں میں میرے شور قلقل ہے[208]

پڑے ہیں حلقہائے زلف جو پائے تصور میں
خیال اغیار کا مستلزم دور و تسلسل ہے[209]

مری تربت پہ افسردہ دلی کا دیکھ لو نقشہ
کہ جتنے پھول ہیں مرجھائے ہیں جو شمع ہے گل ہے

نہ مخبر ہے نہ شاہد ہے کراماً کاتبیں کوئی[210]
تو کیوں کر مان لیں ہم جو لکھا ہے راست بالکل ہے

ازل سے آشنا ہوں اور کہو نا آشنا مجھ کو
غضب کا یہ تغافل ہے قیامت کا تجاہل ہے

---

208 ۔ قلقل: صراحی یا بوتل سے پانی یا شراب نکلنے کی آواز۔

209 ۔عام اصطلاح میں دور و تسلسل کے معنیٰ کسی چیز کے بار بار پیش آنے کے ہیں، جو مذموم نہیں محمود ہے مثلاً شراب کا دور چلنا، کسی سبق کو بار بار پڑھنا وغیرہ، مگر یہاں دور و تسلسل منطقی اصطلاح میں استعمال ہوا ہے جو کسی چیز کو ناممکن بتانے کے لئے بولا جاتا ہے، منطق کی اصطلاح میں اگر کسی دلیل میں دور یا تسلسل پیدا ہو جائے تو دلیل باطل قرار پاتی ہے، اگر دعویٰ کے ثبوت کے لئے ایسی دلیل دی جائے جس کا کوئی ایک جزو بھی خود دعویٰ کے ثبوت پر موقوف ہو تو یہ دور ہے اور اگر ہر دلیل کسی دوسری دلیل کی محتاج ہو اور سلسلہ لامتناہی ہو تو یہ تسلسل ہے اور منطق کی اصطلاح میں یہ دونوں ناقابل قبول اور ناممکن ہیں، شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جب خیال محبوب کی زنجیر ایک بار پاؤں میں پڑ چکی اب کسی اور کا خیال آنا ناممکن ہے، صاحب کلام کو چونکہ علوم نقلیہ و عقلیہ پر بڑی دسترس حاصل تھی اس لئے وہ ان فنون کی مدد سے اپنی شاعری کی معنویت میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔

210 ۔ کراماً کاتبین: انسانی اعمال کا ریکارڈ تیار کرنے والے فرشتے۔

کسی کی یاد میں اے آہ یہ عقدہ کھلا مجھ پر

کہ مانع وصل سے حسرت ہے ارماں ہے تغافل ہے

(۱۰۰)

مریض عشق پہ رحمت خدا کی

کھنچی تلوار اس کافرادا کی
الٰہی خیر جان مبتلا کی

ترا دیوانہ کہلایا تپا کی
جدھر نکلا اُدھر انگلی اٹھا کی

اڑالائی ہے بوزلف دوتا کی[211]
بلائیں کیوں نہ لیتے ہم صبا کی

نمود خط سے جانکاہی ہوئی کم
بڑھا کی رات اور حسرت گھٹا کی

جو لیتے ہو تو پہلو میں جگہ دو
یہ قیمت ہے دل درد آشنا کی

کسی پر جان دے کے زیست پائی
جو صورت تھی فنا کی ہے بقا کی

شہید تیغ ابرو ہو چکے ہم
ہمیں حاجت نہیں قبلہ نما کی

211 -زلف دوتا: زلف کا وہ حصہ جو سر سے باہر جھانک رہا ہو، جس میں بلا کی کاٹ ہو اور حسن مستور کا غماز ہو۔

بھری ہے اس میں بوئے عشق کیا کیا
مرا دل اک کلی ہے موتیا کی

مرا دل کر دیا برباد لے کر
ستم پیشہ جفا جو نے دغا کی

نکلتی وصل میں حسرت بھلا کیا
رہی شب بھر نگہبانی حیا کی

ہمارے درد کو وہ جھوٹ سمجھے
ہمیں رسوا کیا کہہ کر تپا کی

جنوں افزا ہے بالوں کی سفیدی
گھٹا کی رات اور حسرت بڑھا کی

نہ ہو عاشق کو جب دیدار تیرا
حقیقت کچھ نہیں روز جزا کی

تڑپ کر رہ گیا اے آہ کوئی
نگاہ یار نے شاید خطا کی

(۱۰۱)

جلسے سوا حضور یہ تعزیر ہو گئی

میرے خلاف جب مری تقدیر ہو گئی
الٹی ہر اک وصل کی تدبیر ہو گئی

دل میں بتوں کے عشق کی تعمیر ہو گئی
آنکھوں میں نقش کفر کی تصویر ہو گئی

مانا کہ عشق میں مری تشہیر ہو گئی
لیکن اسی سے حسن کی توقیر ہو گئی

سودا ہوا جو زلف کی تاثیر ہو گئی
دیوانگی کی پاؤں میں زنجیر ہو گئی

ہوتا کمال عشق تو مٹ جاتے سامنے
جیتے رہے فراق میں تقصیر ہو گئی

آیا خیال جب کبھی راز و نیاز کا
آنکھوں کے سامنے تری تصویر ہو گئی

کھینچا انہیں تو اور بھی مجھ سے وہ کھنچ گئے
الٹی ہماری وصل کی تدبیر ہو گئی

دیکھے مگر کسی سے کبھی کچھ نہ کہہ سکے
گونگے کے خواب کی یہی تعبیر ہوگئی

خالی گیا نہ وار کبھی تیغ ناز کا
عشرت کی رات موت کی تصویر ہوگئی

سمجھے گا کوئی خاک حسینوں کا مدعا
جب بات ان کی جادوئی تقریر ہوگئی

بے تابیوں کو میری نہ سمجھے گا بوالہوس
سیماب و برق سے مری تعمیر ہوگئی[212]

عاشق کو جرم عشق میں کیوں قتل کردیا
حد سے سوا حضور یہ تعزیر ہوگئی

آیا جو خط تو سینہ ہوا آہ چاک چاک
تحریر ان کی صورت شمشیر ہوگئی

☆☆☆☆☆☆☆☆

212 -سیماب: پارہ۔

اس کتاب میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

(۱)ڈاکٹر کلیم احمد عاجزؔ (پٹنہ) کا مجموعۂ کلام "وہ جو شاعری کا سبب ہوا" مطبوعہ طوبیٰ پبلیشر حیدرآباد ۱۹۹۶ء۔

(۲)کلیات اقبال ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۹۷ء۔

(۳)مختصر تاریخ اردو ادب اور اصناف شعری، مؤلفہ ڈاکٹر سیدہ زہرہ بیگم، ناشر: بوستان اشہر حیدرآباد ۲۰۰۵ء۔

(۴)اردو شاعری کا فنی ارتقا ،ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص ۴۴۱ ، طبع عفیف پرنٹرس لال کنواں دہلی ۱۹۹۸ء۔

(۵)دکنی رباعیات، مؤلفہ ڈاکٹر سیدہ جعفر، ناشر: آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی ۱۹۶۶ء۔

(۶)اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، مؤلفہ شمیم احمد، ناشر انڈیا بک امپوریم بھوپال ۱۹۸۱ء۔

(۷)روح انیس، سید مسعود حسین رضوی، کتاب نگر لکھنؤ ۱۹۶۴ء۔

(۸)کلام حامد مرتبہ سید شاہ نبی حسن ناشر بزم صوفیہ ارزانیہ کلکتہ۔

(۹)جدید تاریخ ادب اردو ص ۶ مصنفہ ڈاکٹر آصف اختر ناشر جاوید بک سینٹر پٹنہ ۲۰۱۰ء۔

(۱۰)شادؔ عظیم آبادی ص ۵،۶ مرتبہ انجم فاطمی شائع کردہ بہار اردو اکیڈمی پٹنہ ۲۰۰۶ء۔

(۱۱)مثنوی نوبہ نو- آہؔ سیتاپوری، یہ ۱۱۲ صفحات کی کتاب ہے، کتابکدہ والکیشور روڈ ممبئی ۶ سے شائع ہوئی ہے۔

(۱۲)فیروزاللغات مرتبہ الحاج فیروز احمدؒ شائع کردہ فیروز سنز پرائیوٹ لیمیٹڈ لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جامعہ ربانی–ایک تعارف

منورواشریف (ضلع سمستی پور بہار) دینی اعتبار سے بہار کی ایک مشہور ومعروف بستی ہے، جو محل وقوع اوروسائل کے لحاظ سے انتہائی پسماندہ ہونے کے باوجود تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔یہ مسلسل کئی دہائیوں سے یکے بعد دیگرے متعدد اہم دینی وعلمی شخصیات کی دینی اور روحانی سرگرمیوں کا مرکز ہے مثلاً:

☆سلسلہ قادریہ کے ممتاز صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا سیدامیر الحسن صاحب قادریؒ(متوفی ۱۹۲۲ء)

☆ قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ (متوفی ۲/نومبر ۱۹۶۷ء) نواسۂ حضرت مولانا امیرالحسن قادریؒ ومجازبیعت قطب الارشادحضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ۔

☆حضرت مولانا عطاء الرحمن صاحب مظاہریؒ، عرف مولانابہادرؒ(برادر خورد حضرت مولاناحکیم احمد حسن منورویؒ)متوفی ۱۹۷۱ء۔

☆نمونۂ سلف حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب قادری نقشبندی دامت برکاتہم جانشین حضرت مولانا حکیم احمد حسنؒ،وغیرہ۔

اس طرح اس دینی اور روحانی مرکز سے ایک بڑا علاقہ استفادہ کررہاہے اور دور دراز تک بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کے فیوض پہونچ رہے ہیں۔

اسی تاریخی بستی میں خانقاہ نقشبندیہ کے زیر سایہ حضرت مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی مدظلہ کے ہاتھوں بتاریخ ۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز جمعرات ”جامعہ ربانی“کی تاسیس عمل میں آئی،اور اس دینی درسگاہ کے ذریعہ ایک

عظیم علمی تحریک کا آغاز ہوا،کام انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں شروع کیا گیا،مگر دیکھتے ہی دیکھتے نصرت غیبی سے یہ ادار ہ ترقی کرتا چلا گیا،الحمداللہ آج یہ ادارہ بہار کی ممتاز دینی درسگاہ ہے اور اپنی دینی، تعلیمی،تربیتی اور ملی وفلاحی خدمات کی بناپر انفرادی حیثیت کا حامل ہے،فالحمد للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً۔

جوہوا ہوا کرم سے تیرے جو بھی ہو گا تیرے کرم سے

مؤلف کتاب بیک نظر

☆نام:اختر امام عادل قاسمی ☆ولادت:۱۹۶۸ء

☆والد ماجد:حضرت مولانا سید شاہ محفوظ الرحمن صاحب قادری نقشبندی۔

☆جد امجد: قطب الہند حضرت اقدس الحاج سید حکیم احمد حسن منورویؒ خلیفۂ ارشد قطب الاقطاب حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ

☆جد اکبر (پڑدادا):حضرت مولاناسید عبدالشکورآہ ؔمظفرپوریؒ تلمیذرشید حضرت اقدس مولانا احمد حسن کانپوریؒ وحضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔

☆ تعلیم:والد محترم،ناناجان حضرت حاجی جمیل احمد صلحاویؒ،مدرسہ مدینۃ العلوم چیروٹنہ ضلع سمستی پور،مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں ضلع دربھنگہ،مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد،مدرسہ دینیہ غازی پور

☆فضلیت دورۂ حدیث شریف:دارالعلوم دیوبند ۱۹۸۷ء ☆افتا ء:دارالعلوم دیوبند ۱۹۸۸ء

☆ایم اے (اردو) میسور یونیورسیٹی کرناٹک۔

☆تدریس:دارالعلوم دیوبند(بحیثیت معین المدرس) مدرسہ سراج العلوم سیوان بہار

(بحیثیت مدرس و مفتی)،دارالعلوم حیدرآباد(بحیثیت مدرس و مفتی)،دارالعلوم سبیل السلام حیدراباد(بحیثیت مدرس ورئیس کلیۃ الشریعۃ)۔

☆ موجودہ مصروفیت:اہتمام،تدریس،افتاء وتصنیف وتالیف:جامعہ ربانی منوروا شریف ضلع سمستی پور بہار۔

☆تصنیفات وتالیفات:(۱)حقوق انسانی کا اسلامی منشور (۲)غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے مسائل(۳)حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے فقہی نظریات وخدمات کے آئینے میں (۴)موجودہ عہد زوال میں مسلمانوں کے لئے اسلامی ہدایات(ان چاروں کتابوں کے انگریزی تراجم ہوچکے ہیں(۵)منصب صحابہ(۶)قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز (دوجلدیں) (اپنے موضوع پر اردو زبان میں پہلی مکمل کتاب تقریباً بارہ سو ۱۲۰۰صفحات میں)اس کتاب کاانگریزی ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے،اورعربی ترجمہ جاری ہے (۷)سہ ماہی دعوت حق کا خصوصی شمارہ " دعوت وتبلیغ نمبر" (۸) سہ ماہی دعوت حق کا خصوصی شمارہ ""تعلیم نسواں نمبر" (۹)سہ ماہی دعوت حق کا خصوصی شمارہ "دینی مدارس نمبر"(۱۰)سہ ماہی دعوت حق کا خصوصی شمارہ ""خانقاہ نمبر"(۱۱)مقام محمود(امتیازات سیرت طیبہ)(۱۲)حیات قطب الہند حضرت مولانا شاہ احمد حسن منورویؒ (۱۳)اسلام اور بین الاقوامی قانون(غیر مطبوعہ)(۱۴)اقوام کی تہذیب پر مزاج نبوت کے اثرات(غیر مطبوعہ) (۱۵)فقیہ عصر میر کارواں (تذکرہ حضرت مفتی محمد ظفیرالدینؒ (۱۶)اسلامک لاء۔۔۔(اسلامی قانون کا امتیاز"کا انگریزی ترجمہ) (۱۷)تذکرہ حضرت مولاناعبدالشکورآہؔ مظفرپوریؒ (۱۸)جانوروں کے حقوق واحکام (۱۹)حیات ابوالمحاسن (۲۰) کلیات آہ وغیرہ چھوٹی بڑی تقریباًپچاس (۵۰)کتابیں۔